اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۵ | جمادی الثانی ۱۴۴۵ھ | جنوری ۲۰۲۴ء | شمارہ ۱

رجاء الغیوب

صبح اُمید (قسط اول)

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۵۰ روپے | زر سالانہ =/۶۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

رِجاءالغیوب

(صبحِ اُمید) قسط اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے وعظ رجاء الغیوب المعروف ''صبح امید'' امید کے صحیح معنی کے متعلق کاٹھ ضلع میرٹھ شیخ محمد حسن صاحب کے زنانہ مکان پر ۳ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ بوقت صبح ۲ گھنٹے ۳۵ منٹ کرسی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔

حضرت حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری رحمہ اللہ (مقیم میرٹھ محلّہ کرم علی) نے قلمبند فرمایا۔ سامعین میں مردوں کی تعداد ۴۰ باقی مستورات تھیں۔

نوٹ: وعظ کی طوالت کے پیش نظر دو قسطوں میں طبع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد لله نحمدهٗ و نستعينهٗ ونستغفرهٗ و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد انّ سيدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله واصحابه وبارك وسلم اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَتۡلُونَ كِتَٰبَ ٱللَّهِ وَأَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُواْ مِمَّا رَزَقۡنَٰهُمۡ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرۡجُونَ تِجَٰرَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمۡ أُجُورَهُمۡ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضۡلِهِۦٓۚ إِنَّهُۥ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾ (۱)

مضمون آیت کی اہمیت

اس آیت میں حق تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ (۲) نے بندوں کی ایک بڑی غلطی کو بیان فرمایا ہے جس میں ابتلاء عام ہے۔ عوام تو کیا پڑھے لکھے بھی اس میں مبتلا ہیں یہ بھی حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس وقت یہی آیت ذہن میں آئی۔ اس میں نہایت ضروری مضمون ہے یوں تو دینی مضامین سب ہی ضروری ہیں لیکن ضرورت، ضرورت میں فرق ہوتا ہے۔ بعض مضامین ایسے ہوتے ہیں جن کی طرف سے لوگوں کو ذہول (۳) ہے ان کے یاد دلانے کی خاص ضرورت ہوتی ہے لیکن ان سے بھی زیادہ ضروری وہ مضامین ہیں جن میں غلطی

(۱) ''جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہوگی تا کہ ان کو ان کے اجرتیں پوری دیں اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیں۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا قدردان ہے'' سورۃ الفاطر: ۳۰ (۲) جن کی شان اونچی اور جن کے احسانات سب پر عام ہیں (۳) غفلت۔

بھی واقع ہو۔ چنانچہ یہ مضمون اسی قبیل [1] سے ہے۔ اس واسطے بہت زیادہ ضروری ہوا۔

میں پہلے اس غلطی کو بیان کروں گا اس کے بعد طریق صحیح کی تعین کروں گا، پھر اس طریق کی تحصیل [2] کا طریقہ بتاؤں گا اور سب اجمالاً اس آیت کے ترجمہ ہی سے معلوم ہوجائے گا۔ حاصل ترجمہ کا یہ ہے کہ جو لوگ کتاب اللہ پڑھتے ہیں اور نماز درست رکھتے ہیں اور مال کو ظاہر و پوشیدہ خرچ کرتے ہیں ان کو ایک تجارت کی امید ہے جو کبھی خسارہ نہیں دے گی۔ تجارت سے مراد ظاہر ہے کہ تجارت آخرت ہے۔ آگے اس کے نتیجہ کا بیان ہے کہ حق تعالیٰ ان کو ان کے اجر پورے پورے دیں گے بلکہ اپنی طرف سے اور زیادہ دیں گے کیونکہ حق تعالیٰ غفور اور شکور ہیں۔ لِيُوَفِّيَهُمْ میں لام عاقبت ہے جیسے مشہور مثال ہے ''سَرَقَ لِيُقْطَعَ'' یعنی فلاں نے چوری کی تاکہ ہاتھ کاٹا جائے۔ یہ معنی نہیں کہ اس غرض سے چوری کی بلکہ لام عاقبت ہے یعنی چوری کا انجام قطع [3] ہے اسی طرح اجور کا پورا پورا ملنا اور نفع زائد ہونا، یہ انجام ہے اس تجارت کا خواہ اس تجارت میں اس انجام کا قصد بھی نہ ہو البتہ خود تجارت کا قصد ضرور شرط ہے، خواہ من حیث التجارۃ نہ ہو من حیث العمل ہی ہو [4]۔ یہ حاصل ترجمہ ہے اس آیت کا اس کو سن کر معلوم ہوگیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک تجارت کی امید کا طریقہ بتلایا ہے یعنی تجارت آخرت کے نفع کی امید کا طریقہ بتلایا ہے کہ امید کب رکھنا چاہیے۔

آخرت کی کامیابی کی امید کب رکھنی چاہیے

آیت سے صاف نکلتا ہے کہ اس امید کا مستحق وہ شخص ہے جو کہ ان اعمال مذکورہ کو ادا کرے کہ تلاوت کتاب اللہ کرے یعنی کتاب اللہ پڑھے۔ پڑھنا صرف الفاظ کے ادا کرنے کو نہیں کہتے بلکہ معنی یہ ہیں کہ الفاظ ادا کرنے کے ساتھ کتاب اللہ کا علم بھی حاصل کرے جیسے محاورات میں کہتے ہیں کہ ہم نے قانون پڑھا ہے اس کے معنی یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ قانون کے الفاظ زبان سے ادا کیے ہیں بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم نے قانون کا علم حاصل کیا ہے۔ اسی طرح قرآن بھی چونکہ قانونی کتاب ہے اور قانون بھی قانون الٰہی تو اس کے پڑھنے کا بھی یہی مطلب ہے کہ اس کا علم حاصل کیا جائے۔

---

(۱) قسم (۲) حاصل کرنے کا (۳) ہاتھ کٹنا ہے (۴) تجارت ہونے کی حیثیت سے ہو یا عمل ہونے کی حیثیت سے۔

محض الفاظ کا ادا کرنا مراد نہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کے الفاظ کا ادا کرنا موجب ثواب نہیں۔ گو عقل کا فتویٰ یہی تھا کہ تلاوت قرآن پر بدوں علم وفہم (۱) کے ثواب نہ ہوتا کیونکہ قانونی کتاب کے الفاظ یاد کرلینا عرفاً وعقلاً مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کا سمجھنا اور اس کے موافق عمل کرنا مقصود ہوتا ہے مگر حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس فتویٰ عقلی کے خلاف محض تلاوت الفاظ پر بھی ثواب رکھا ہے اور یہ ان کی رحمت وعنایت ہے مگر بقرینۂ سیاق وسباق (۲) یہاں صرف تلاوت مراد نہیں ہے بلکہ علم کتاب مراد ہے۔

قرینہ (۳) یہ ہے کہ یہاں تلاوت کے ساتھ اعمال کا بھی ذکر ہے اور عمل کا ترتب علم ہی پر ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں تلاوت سے مراد علم کتاب ہے جیسا ابھی مذکور ہوا کہ علم عمل ہی پر مرتب ہوا کرتا ہے۔ محض تلاوت پر مرتب نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ آگے عمل ہی کا ذکر ہے یعنی ''اور نماز کی پابندی کرے'' مراد جملہ عبادات جسمانی ہیں جن میں نماز زیادہ مہتم بالشان (۴) ہے۔ تخصیص ذکر بوجہ اہتمام کے ہے حصر مراد نہیں (۵) (اور مال خرچ کرے) اس میں جملہ عبادات مالیہ آگئیں اور جن لوگوں نے اس کی تفسیر زکوٰۃ سے کی ہے ان کی مراد زکوٰۃ کا مہتم بالشان ہونا ہے جیسا کہ اوپر ذکر صلوٰۃ کا منشاء بھی مہتم بالشان ہونا تھا ایسے شخص کو امید رکھنی چاہئے ایک تجارت کی جو کبھی خسارہ نہیں دے گی اور اس پر پورا پورا اجر ملے گا مع انعام کے۔ ترجمہ سے آیت کا ماحصل سمجھ میں آگیا ہوگا اور تھوڑے غور سے اس غلطی کا بھی علم ہوگیا ہوگا جس میں آج کل عام ابتلاء ہے۔

امید کے معنی میں ایک غلطی

حاصل اس غلطی کا یہ ہے کہ آپ نے عام طور سے ہر شخص کی زبانی یہ کلمہ سنا ہوگا اور یہ بات فی نفسہ صحیح بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی امید رکھنا چاہیے یہ امر عقائد میں داخل ہے اور امید نہ رکھنے والا کافر ہے مگر اس کے سمجھنے میں مسلمانوں نے اتنی بڑی غلطی کررکھی ہے کہ اس کے نتیجے کو دیکھ کر میں تو یہ کہوں گا کہ مسلمانوں کا بیڑا ہوگیا (۶) اس مضمون کا غلط مطلب ذہن میں آنے سے ایک دلیری ہوگئی ہے کہ مسلمانوں کو نہ فسق (۷) کی پرواہ رہی نہ رشوت سے احتراز

(۱) سمجھ (۲) آگے پیچھے کی علامت ہے (۳) علامت (۴) قابل اہتمام (۵) نماز کو خاص طور سے ذکر کیا گیا کیونکہ نماز اہم عبادت ہے مگر صرف نماز مراد نہیں بلکہ ساری جسمانی عبادات مراد ہیں (۶) مسلمان بالکل اخلاقی پستی میں گر پڑے (۷) گناہ۔

رہا، نہ ظلم سے باک[۱] رہا۔ اول تو ان اعمال پر تنبہ[۲] کا ہی نہیں، لوگ یہی نہیں سمجھتے ہیں کہ ہم کوئی برا کام کررہے ہیں اور اگر تنبہ بھی ہوا تو کچھ پرواہ ہی نہیں۔ سب کام کرتے رہے اور جو کبھی گناہ کا خیال آ گیا یا کسی خیرخواہ نے ٹوک دیا تو جواب میں کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا غفور رحیم ہونا تم کو کہاں سے معلوم ہوا۔ یقیناً یہی کہا جائے گا کہ قرآن سے۔ میں کہوں گا کہ جس آیت قرآن سے اللہ تعالیٰ کا غفور رحیم ہونا ثابت ہے اس میں کوئی قید بھی ہے یا نہیں کہ کس کے واسطے غفور رحیم ہیں۔ اگر اس میں عموم کلی ہے تو بس کفار بھی سہل چھوٹے، وہ بھی کفر وغیرہ جو چاہیں کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ مسلمان اس کے جواب میں ضرور یہی کہے گا کہ کفار کے لیے غفور رحیم نہیں۔ دیکھئے اتنی قید تو لگی یہ قید بھی قرآن ہی سے لگی میں کہتا ہوں اور بھی قیدیں ہیں مطلق گنہگاروں کے لیے یہ بشارت درجہ مزعومہ[۳] میں نہیں ورنہ اعمال کی تو اساس ہی منہدم[۴] ہوجائے۔

امید کے صحیح طریق کی عقلی دلیل

نیز کوئی موقع مجھے دکھلایا بھی تو جائے جہاں مؤمنین کے لیے بلا کسی قید کے اس کا حکم ہے اس کے طول[۳] کا یہ موقع نہیں سب لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں جس آیت میں یہ لفظ غفور رحیم پاویں اس کے سیاق وسباق کو پورا دیکھیں۔ اگر معنی نہ سمجھتے ہوں تو ترجمہ کو دیکھیں، ان کو کچھ قیدیں ضرور ملیں گی۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ یہ غلطی صرف شرعی نہیں بلکہ عقلی بھی ہے۔ قرآن کی قیود سے قطع نظر بھی کرلی جائے تو ذرا سے تامل وغور[۴] سے عقلاً یہ غلطی رفع ہوسکتی ہے۔

چنانچہ دیکھئے سب جانتے ہیں کہ ملازمت سے پہلے امیدواری کی ضرورت ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ امیدواری میں کیا ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ امید کا اعتقاد جما کر بیٹھ جائیں بلکہ امیدواری میں کام کرتے ہیں اور اتنا ہی وقت صرف کرتے ہیں جتنا ملازم صرف کرتا ہے اور نخرے اس سے زیادہ اٹھانے پڑتے ہیں۔ جس کا عرصہ بعد نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملازمت ملتی ہے، پھر اس ملازمت پر اجر کا ملنا متوقع ہوتا ہے گویا امیدواری ملنے

(۱) ڈر (۲) کی طرف توجہ (۳) اس درجہ کی نہیں جس درجہ کی لوگ سمجھتے ہیں (۲) بنیاد ہی ختم ہوجائے (۳) لمبی بات (۴) غور وفکر۔

کے لیے بھی کچھ خدمت کی ضرورت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امیدوار اجر بننے کے لیے کچھ قواعد کی ضرورت اور کوشش درکار ہے۔ نری امید جس کو تمنا کہتے ہیں کسی شمار میں نہیں، اگر کوئی اس تمنا میں رہے کہ گورنمنٹ مجھ کو ایک عہدہ دے دے اور باضابطہ امیدواری یا کوشش نہ کرے تو خود سمجھ لیجئے کہ یہ خیال کہاں تک صحیح ہے۔

افسوس ہے کہ انسانی گورنمنٹ سے امید رکھنے کے لیے تو کچھ قواعد اور شرائط اور پابندیوں کی اور جان کاہی (۱) کی ضرورت ہو جس کا نہ حق اتنا عظیم ہے نہ اس سے اتنا عظیم اجر ملے گا اور احکم الحاکمین سے امید رکھنے کے لیے کسی قاعدہ اور شرط کی ضرورت نہ ہو اور نہ کسی قسم کی جان کاہی (۲) اور محنت کی قید ہو جس کا حق بھی عظیم اور اس سے اجر بھی عظیم ملے گا۔ اس بات میں ایسی بے حس بلکہ فساد حسی ہوا ہے کہ جب کسی سے کہا جائے کہ امیدوار بننے کے لیے بھی کچھ قواعد ہیں اور کچھ محنت کی ضرورت ہے تو کہتے ہیں واہ صاحب جب محنت کر کے کچھ حاصل ہوا تو بخشش کیا ہوئی مگر افسوس ہے کہ دنیا کے کاموں میں امیدواری کے یہ معنی کسی نے بھی نہ سمجھے۔ دیکھئے ہم امیدواروں سے پوچھتے ہیں کہ آج کل آپ کس شغل میں ہیں تو وہ بہت قدر شناسی کے ساتھ کہتے ہیں میں امیدوار ہو گیا فلاں فلاں صاحب نے بڑی مہربانی اور کوشش کی اور مجھ کو امیدواروں میں داخل کر دیا۔ اگر چہ یہ امیدواری بہت ہی معمولی ہو اور اس کے بعد کوئی ڈپٹی کلکٹری نہ ہی ملے مگر پھر بھی ان کوشش کرنے والوں کے اور گورنمنٹ کے بڑے ممنون ہوتے ہیں، کہتے ہیں بڑی مہربان گورنمنٹ ہے سب کی سن لیتی ہے حالانکہ ابھی ہزاروں نخرے اٹھائیں گے، کام سیکھیں گے، بہت سی ذمہ داریاں مول لیں گے، ان سب کے بعد اگر ملازمت پر پہنچ گئے تو خیر ورنہ کوئی غلطی ہو گئی یا عمر زیادہ ہو گئی یا اور کوئی مانع پیش آ گیا تو چلئے رخصت، ایک بندے کی ملازمت کی امید میں اتنے بکھیڑے کرنے پڑتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ایسے سستے ہیں کہ ان سے امید لگانے کے لیے کسی قاعدہ کی ضرورت نہیں۔

جس درجہ کا مقصود ہو ویسی ہی کوشش ہونی چاہیے

عجیب بات ہے عقل تو کہتی ہے کہ جس درجہ کا مقصود ہو ویسی ہی کوشش ہونی

(۱) محنت و مشقت (۲) جان مارنے۔

چاہیے۔ نائب تحصیلداری کے لیے جس کوشش کی ضرورت ہے صدر اعلیٰ ہونے کے لیے اسی نسبت سے زیادہ کوشش کی ضرورت ہے۔ مزدور دو آنہ کمانا چاہے تو چار پیسہ سے دو چند محنت کرنا پڑے گی، معلوم ہوا کہ عمل کی کمی زیادتی، مقصود کی کمی زیادتی کے اندازہ پر ہوا کرتی ہے کوئی ٹھیکہ لیتا ہے تو کام زیادہ اور جلد ہونے کی غرض سے وقت مقرر سے زیادہ خارج وقت میں بھی کام کرتا ہے اس کی بھی بنا(۱) وہی ہے کہ جتنا اجر زیادہ چاہیے کام بھی زیادہ کرنا چاہیے۔ اب دنیاوی اجر اور اخروی اجر کو ملا کر دیکھئے جو فرق دونوں میں ہو وہی دونوں کی کوشش میں ہونا چاہیے۔ سو دونوں میں ظاہر ہے کہ مقدار کا بھی فرق ہے اور باقی اور فانی (۲) ہونے کا بھی فرق ہے جس کے لحاظ سے دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں ہو سکتی پھر دونوں کی طلب میں بھی یہی نسبت ہونی چاہیے بس اس قیاس پر عقل کا مقتضا(۳) تو یہ ہے کہ امید آخرت کے لیے عمر بھر کی سعی (۴) بھی کافی نہ ہو مگر کیا کیجئے کہ نفس کی تعلیم کے ساتھ ہم نے عقلیات سے بحث کرنا ہی چھوڑ دی۔ البتہ سارے سبقوں میں ایک امید کا سبق یاد کر لیا۔

ایک ڈپٹی اور درویش کی حکایت

ایک ڈپٹی کلکٹر نے ایک درویش سے کہا کہ وصول الی اللہ کا کوئی سہل طریقہ بتا دیجئے۔ درویش نے دوسری باتوں میں لگا لیا کہ گھر میں خیریت ہے، بال بچے اچھے ہیں، آج کل آپ کی کیا تنخواہ ہے، کیسے گزرتی ہے، مقدمات کی کیا حالت ہے؟ غرض ادھر اُدھر کی باتوں میں ان کو لگا کر اور بات کو ٹال کر پوچھا کہ کیوں ڈپٹی صاحب اول آپ کی کتنی تنخواہ ہوئی تھی اور اس تنخواہ سے پہلے کیا کیا کوشش کی تھی پھر کیونکر ترقی ہوئی اور اب آپ کا کیا درجہ ہے؟ ڈپٹی صاحب نے بڑی رغبت اور شوق سے سارا کچا چٹھا کہہ سنایا اور اپنی کارگزاریاں ظاہر کیں اور کہا کہ سب سے پہلے کم درجہ کی تنخواہ ہوئی تھی اور درجہ سوئم کے اختیارات تھے۔ پھر فلاں فلاں کوششوں سے تنخواہ میں ترقی ہوئی، اختیارات میں بھی اضافہ ہوا، فلاں فلاں کارگزاری سے بہت نیک نامی ہوئی اور درجہ اول کے اختیارات حاصل ہوئے۔ اب پچپن سال میں یہ پنشن ہوئی ہے۔ درویش نے کہا کہ قاعدہ یہ ہے کہ ادنیٰ سے ترقی کر کے اعلیٰ کی طلب ہوتی ہے اب آپ کو خدا طلبی کا جو خیال

(۱) بنیاد (۲) آخرت ہمیشہ رہنے والی اور دنیا فنا ہونے والی ہے (۳) تقاضا (۴) کوشش۔

ہوا تو اسی وجہ سے ہوا ہوگا کہ خدا طلبی کو ڈپٹی کلکٹری سے اعلیٰ سمجھا ہے۔ ڈپٹی صاحب نے کہا جی ہاں خدا طلبی سے اعلیٰ اور کیا چیز ہوسکتی ہے۔ درویش نے کہا کہ ڈپٹی صاحب آپ ڈپٹی کلکٹری پر تو جس کو آپ خدا طلبی سے ادنیٰ تسلیم کرتے ہیں اتنی طویل مدت میں پہنچے، حیا نہیں آئی کہ خدا طلبی میں سہولت اور عجلت ڈھونڈتے ہو، دیکھئے کیسا اچھا جواب ہے اور واقعی اور سچی تحقیق ہے ہمارے حاجی صاحب کا مصرع ہے۔

متاع جان جاناں، جان دینے پر بھی سستی ہے

واقعی غور کرکے دیکھیں تو اس مصرع میں مبالغہ ذرا بھی نہیں ہے کیا خدا تعالیٰ کی قیمت جان ہوسکتی ہے؟ جان ہے کیا چیز مگر بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کچھ نخرے نہیں کیے جاتے ہیں اور ادنیٰ سے طالب کی سعی (۱) بھی ضائع نہیں فرماتے بلکہ یوں کہیے کہ بلاسعی مل جاتے ہیں اس واسطے ہم کو قدر نہیں رہی جیسے آفتاب کی روشنی کہ دن بھر ہمارے اوپر خود بخود پڑتی رہتی ہے، ہمیں اس کی خوشامدیں نہیں کرنا پڑتیں اس واسطے ہم کو اس کی ذرا بھی قدر نہیں بلکہ بعض دفعہ اس سے بھاگتے ہیں۔ آفتاب کی قدر جب معلوم ہوتی کہ دنیا میں اندھیرا ہوتا پھر ایک دفعہ آفتاب بطور تماشا کے نکال دیا جاتا تو یہ حالت ہوتی کہ دنیا کی نظریں اسی طرف رہتیں اور لوگ اس کے عاشق ہوجاتے۔

اب بھی دیکھ لیجئے اگر ہفتہ بھر ابر رہتا ہے تو لوگ سورج کے دیکھنے کو ترس جاتے ہیں اور تمنائیں کرتے ہیں اور ذرا سا بھی کنارہ کھل گیا کہتے ہیں شکر ہے آج کرن تو دیکھ پڑی۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے اپنے انوار اور عطایا کو ایسا عام کیا ہے کہ لوگوں کو اس کی قدر نہیں رہی۔

اے گراں جاں خوار دیدستی مرا زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا (۲)

حق تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر اس وقت ہوتی ہے جبکہ ایک ذرا سی نعمت کو روک دیں۔ یہی ابر (۳) ہے کہ برستا ہے اور لوگ اس سے بھاگتے ہیں اور جب ابر کو روک دیتے ہیں تو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا پڑتا ہے اور ایک قطرہ پانی کا کہیں سے بھی نہیں آسکتا جبکہ خدا تعالیٰ کی ایسی نعمتیں بے بہا اور بے بدل ہیں اور یہ نعمتیں وہ ہیں جو دنیوی

(۱) کوشش (۲) ”اے سستی کے مارے تونے مجھے ہلکا سمجھا ہے جبھی تونے مجھے بہت سستا خرید لیا ہے“ (۳) بادل۔

کہلاتی ہیں جن کو فرمایا ’’مَتَٰعُ ٱلدُّنۡيَا قَلِيلٞ ‘‘(۱) سو جو نعمتیں حق تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی ہیں اوراس سے میری مراد بہشتی (۲) نعمتیں نہیں ہیں بلکہ وہ نعمتیں مراد ہیں جو دنیا ہی میں موجود ہیں اور بہشت تو ان کی ایک صورت ہے جو ایک خاص وقت میں ظاہر ہوجائے گی وہ نعمت معرفت حق (۳) اور قرب حق اور رضائے حق ہے جس کو خود فرمایا ہے: وَرِضۡوَٰنٞ مِّنَ ٱللَّهِ أَكۡبَرُۚ (۴) جس کے واسطے مختصر لفظ وصول الی اللہ یا خدا شناسی (۵) سو یہ نعمت جبکہ دنیا و ما فیہا (۶) سے بھی بڑھ کر ہے تو جتنی محنت کہ تمام دنیا کی طلب میں ہو اس سے زیادہ اس کے لیے ہونی چاہیے اور ڈپٹی کلکٹر تو بیچاری دنیا کی ایک ذراسی فرد ہے اس کے لیے اتنی محنتیں اور امیدواریاں کی گئیں تو خدا طلبی کے لیے کتنی چاہیئے ذرا تو انصاف چاہیے جس طرح ڈپٹی کلکٹر کی امیدواری کی گئی تھی اسی طرح یہاں کیوں نہیں ہوتی میری تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ڈپٹی کلکٹری کی طلب بلکہ دنیا کی طلب اور خدا تعالیٰ کی طلب میں تو کوئی نسبت اور کوئی توازن ہی نہیں اس کو اس کے ساتھ ذکر کرنا ہی بیجا سا ہے۔

مقتضائے عقل (۷) تو یہ تھا کہ اس تفاوت (۸) کے ہوتے ہوئے خدا رسی (۹) امیدواری سے کبھی بھی حاصل نہ ہوسکے مگر خیر حق تعالیٰ نے اپنی رسائی (۱۰) کو ایسا آسان کردیا کہ ہم حق تعالیٰ کی رسائی کو اور دنیا کے حصول کو کسی درجہ میں تو قیاس کرسکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ جیسے یہاں امیدواری کی ضرورت ہے وہاں بھی ضرورت ہے گو دونوں امیدواریوں میں مشاکلت صوری (۱۱) ہی ہے مگر اتنا تو سمجھ آگیا کہ کچھ کرنے کی ضرورت ہے باقی کام بنانا حق تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن کم سے کم وہ صورت تو امیدواری کی ہونا چاہیے جو دنیا کی طلب کے لیے یہاں اس صورت کو کیوں بدل دیا مگر دنیا کے معاملہ میں تو یہ صورت سب کو یاد ہے اور حق تعالیٰ کے معاملہ میں صرف یہ یاد رہ گیا ہے کہ امید رکھنا چاہیے۔

(۱) ’’دنیا کا تمتع چند روزہ ہے‘‘ سورۃ النساء:۷۷ (۲) جنتی (۳) اللہ تعالیٰ کی معرفت یعنی پہچان، اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا (۴) ’’اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے‘‘ سورۃ التوبہ:۷۲ (۵) اللہ تعالیٰ تک پہنچنا اور خدا تعالیٰ کو پہچاننا ہے (۶) اور دنیا کی سب چیزیں (۷) عقل کا تقاضا (۸) فرق (۹) خدا تک پہنچنا (۱۰) اپنے تک پہنچنے کو (۱۱) ظاہری طور پر ایک جیسی۔

طفیلی شاعر کی حکایت

کسی نے طفیلی شاعر سے پوچھا جس کو کھانے کا بہت شوق تھا کہ احکام قرآن میں سے تمہیں سب سے زیادہ کیا حکم پسند ہے؟ اور دعاؤں میں کونسی دعا؟ کہا مجھے احکام میں تو كُلُوا وَاشْرَبُوا (۱) پسند ہے اور دعاؤں میں سے رَبَّنَآ أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (۲) یہی حالت ہماری ہے کہ تمام تعلیمات قرآن میں سے امید کی تعلیم پسند آگئی مگر اس اختراع (۳) سے ہمارے کیا ہوتا ہے اس سے احکام الٰہی کی حقیقت تو نہیں بدل سکتی جب حقائق منکشف ہوں گے تو معلوم ہوگا کہ کن غلطیوں میں عمر گزر گئی جس وقت ایک گناہ پر بھی جواب طلب کیا جائے گا کہ یہ کیوں کیا تو یہ جواب کہ آپ سے رحمت کی امید تھی، کسی چھوٹے سے گناہ کے لیے بھی کافی نہ ہوگا۔

صاحبو! کیا ضرورت ہے کہ اس ناکافی جواب کی نوبت آوے۔ دارالاعمال (۴) ہی میں اس غلطی کو کیوں نہ رفع کر لیجئے یہ تو لفظ امید کے استعمال میں غلطی کا بیان ہوا۔

بعض دیندار حضرات کی ایک غلطی

ایک غلطی میں وہ لوگ بھی مبتلا ہیں جو امید کے موقع کو جانتے ہیں اعمال صالحہ کرتے ہیں اور معاصی سے بھی بچتے ہیں۔ مطلب یہ کہ طلب کے صحیح طریق پر پڑے ہوئے ہیں لیکن اس غلطی میں وہ بھی مبتلا ہیں کہ طلب خدا کے زمانہ کا اندازہ کرنے میں دنیا کی طلب پر بھی تو اس کو قیاس نہیں کر لیتے یعنی یہ نہیں سوچتے کہ مقصود دنیا کے حصول میں کتنا زمانہ صرف ہوتا ہے تو مقصود دینی جو اس سے بدرجہا اعز (۵) ہے اس کے حصول کے لیے تو اس سے زیادہ زمانہ اگر صرف ہو تو خوشی سے صرف کرنا چاہیے، دیکھئے آدمی دنیوی تعلیم میں محنت کرتا ہے اور برسوں جان مارنے کے بعد کسی امتحان میں پاس ہوجاتا ہے اور اب نوکری کی طلب کے قابل ہوتا ہے امیدواری کرتا ہے اور کبھی کبھی کامیاب ہوجاتا ہے۔

میں پوچھتا ہوں پاس ہونے سے کتنے دن (۶) بعد نوکری مل جاتی ہے دیکھا

---

(۱) ''کھاؤ اور پیو'' سورۃ الاعراف: ۳۱(۲) ''اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمایئے'' سورۃ المائدہ: ۱۱۴ (۳) من گھڑت بات (۴) دنیا میں جو عمل کرنے کی جگہ ہ وہاں ہی کیوں نہ عمل کریں (۵) عزت والا (۶) کتنے۔

ہوگا کہ برسوں لگ جاتے ہیں، یہ کسی کو نہیں دیکھا ہوگا کہ پاس ہوتے ہی اگلے دن نوکری مل جائے۔ اگر کسی محکمہ میں ایسا ہے بھی تو وہ نوکری درحقیقت امیدواری ہی ہوتی ہے جو قابل شمار نہیں اس کو جو تنخواہ ملتی ہے وہ بطور وظیفہ کے ہے نوکری قابل شمار جب ہی سمجھی جاتی ہے جب کام سیکھ لے، پھر کیا کسی کو آپ نے ایسا بھی دیکھا ہے کہ پاس ہونے کے بعد چار دن میں اگر نوکری نہ مل گئی ہو تو شکایت کرتا پھرتا ہو بلکہ پاس ہونے کے بعد صرف امیدواری کے لیے بھی ایک معتدبہ (۱) وقت سوچ لیا جاتا ہے کہ اتنے عرصہ میں اگر نوکری مل جائے تو کچھ شکایت کا موقع نہیں اس سے پہلے ملنا تو خَرق عادت (۲) سمجھا جاتا ہے اور اس سے تاخیر البتہ اکثر ہوجاتی ہے لیکن بددلی پھر بھی نہیں ہوتی اور حاکم سے خفا ہوکر بیٹھ نہیں رہتے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی طلب میں اس برتاؤ کا عشرعشیر (۳) بھی کہیں ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ شیخ کامل نہیں ملتا

بہتیرے (۴) تو ایسے بھی ہیں کہ طلب بھی نہیں کرتے بلکہ یہ شکایت ان کی زبان پر ہے کہ ہم طالب خدا ہیں مگر کوئی رہبر شیخ کامل ہم کو نہیں ملتا حالانکہ کبھی شیخ کی تلاش میں گھر سے باہر بھی نہیں نکلے، اتنا بھی نہیں کیا کہ جیسے اسکول میں جاکر جگہ کی تحقیق کرکے بھرتی ہوا کرتے ہیں کسی شیخ کی خبر سن کر بطور امتحان ہی اس کے پاس گئے ہوتے، معلوم نہیں اس کا کیا مطلب ہے کہ کوئی شیخ کامل نہیں ملتا، کیا شیخ ان کے دروازے پر آکر ان کو گھسیٹ کر لے جائیں، اول تو ایسا ہو نہیں سکتا اور اگر کوئی شیخ بالفرض ایسا کرے تو ان ہی کا اعتراض پہلے یہ ہوگا کہ یہ کامل کہاں سے آیا، کامل ہوتے تو گھر بیٹھتے نہ پُجتے۔ تماشا ہے کہ شیخ کی تلاش میں گھر سے نکلیں ہیں اور اگر شیخ گھر پر آوے تو وہ شیخ نہیں اس کا کیا مطلب ہے سوائے اس کے کہ شیخ کی ضرورت نہیں۔

صاحبو! یہ یاد رکھئے کہ ایک معمولی کیمیاگر بھی جس کو چار پیسہ کی کیمیائی آتی ہو کسی کے در پر نہیں جاتا بلکہ اچھے اچھے اس کے پاس جاتے ہیں اور وہ منہ بھی نہیں لگاتا، شیخ تو بڑی چیز ہے وہ تمہیں گھر بیٹھے بدوں تلاش کیے اور خاک چھانے کیونکر مل جائے گا۔ کیمیاگر کا منتہائے کمال یہ ہے کہ سونا چاندی بنادے یا بنانا بتادے اور سونا چاندی کیا چیز ہے

(۱) اچھا خاصہ (۲) عام عادت کے برخلاف (۳) سوواں حصہ بھی (۴) بہت سے لوگ۔

وہی مٹی کے اجزاء ہیں جو تھوڑے دنوں میں مٹی میں مل جائیں گے۔ جب اس کے استغناء کی یہ حالت ہے تو اِس کے استغناء کی تو کیا حالت ہوگی جو خدا تک پہنچا تا ہے اور ناچیز کو چیز اور نجس کو طاہر (۱) اور ظلمانی کو نورانی اور فانی کو باقی بنا تا ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک (۲)

وہ تو دنیا بھر کے خود کیمیا گروں کو بھی منہ نہیں لگائے گا اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ وہ متکبر ہوتا ہے خوب سمجھ لیجئے کہ اس کو تکبر کی تو ہوا بھی نہیں لگتی کیونکہ وہ شیخ ہوا کیسے ہے؟ عبودیت (۳) حاصل کرنے اور تکبر کو مٹانے ہی سے تو ہوا ہے اس کا تو پہلا قدم یہی ہے کہ اپنے آپ کو خاک سے بھی کمتر سمجھتا ہے مگر بات یہ ہے کہ تکبر اور چیز ہے اور استغناء اور چیز ہے، استغناء کے معنی ہیں غیر اللہ کی طرف اپنی حاجت نہ لے جانا اور تکبر کے معنی ہیں اپنے آپ کو بڑا سمجھنا۔ کامل اپنے آپ کو بھنگی چمار سے بھی بڑا نہیں سمجھتا لیکن اپنی حاجت کو کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے پاس بھی نہیں لے جاتا کیونکہ ان کی نظر میں ایک کے سوا کوئی بڑا ہی نہیں، اس کی نظر میں صرف ایک ذات حق تعالیٰ ہے اور وہ اس کو کافی ہے آپ نے کہیں دیکھا ہے کہ بادشاہ کا مقرب غلام کسی گداگر اور محتاج کے سامنے اپنی حاجت لے جاتا ہو اس کو تو بادشاہ سے ایسی خصوصیت حاصل ہے جو اس کے تمام مہمات (۴) کے لیے کافی ہے۔ بادشاہ کے سوا تمام مخلوق اس کی نظر میں گداگر اور محتاج ہے تو جس شخص کو حق تعالیٰ سے خصوصیت حاصل ہو اس کی نظر میں سلاطین دنیا (۵) حاجت روا کیونکر ہو سکتے ہیں۔

مصنوعی شیوخ کی ڈانت ڈپٹ کا انداز

جب تکبر اور استغناء میں فرق ظاہر ہو گیا تو اس دھوکہ کا راز بھی کھل گیا جو آج کل کے متصنع (۶) شیوخ نے پھیلا رکھا ہے کہ ہر شخص کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں اور کسی سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے بلکہ گالیاں دیتے ہیں اور جتنی دور دبک (۷) کرتے ہیں اتنا ہی لوگ ان کو کامل سمجھتے ہیں۔ یہ عجیب چلتی ہوئی ترکیب ہے۔ تعجب یہ ہے کہ آج کل کے نئے تعلیم یافتہ بھی اس چال میں آجاتے ہیں۔ اگر ذرا غور سے کام لیجئے تو بخوبی واضح

(۱) ناپاک کو پاک (۲) ''مٹی کو جہان پاک سے کیا نسبت'' (۳) بندگی (۴) اہم باتوں (۵) دنیا کے بادشاہ (۶) مصنوعی پیر (۷) دور کرتے اور دھمکاتے ہیں۔

ہوجائے گا کہ وہ استغناء کی محض نقل ہے اور واقع میں تکبر ہے لیکن اثر اس میں اس وجہ سے ہے کہ ایک واقعی مؤثر چیز کی نقل ہے جیسے پولیس لے کپڑے پہن کر کہیں چھاپا جا ماریں تو ان کو دیکھ کر لوگ مرعوب ہو ہی جائیں گے۔ اس صورت میں افسوس تعلیم یافتوں پر زیادہ ہوگا۔ اگر وہ صرف ان کی وردی کو دیکھ کر ان کو واقعی پولیس سمجھ لیں اور اتنی بات بھی نہ دیکھیں کہ ان کا چھاپا مارنا یہ فعل ہی بتلا رہا ہے کہ یہ پولیس کے آدمی نہیں ہیں کیونکہ پولیس کا کام تو چھاپہ مارنے سے حفاظت ہے نہ کہ الٹا چھاپا مارنا ایسے ہی یہ موٹی بات ہے کہ شیخ کا کام تو تہذیب، اخلاق اور تربیت ہے جب وہ خود ہی بیجا ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے تو دوسروں پر اس کا کیا اثر ہوگا، سوائے اس کے کہ وہ بھی یہی سیکھیں گے یہ تو بعینہ ڈاکہ ڈالنا ہے۔ ظاہری ڈاکو، مال کے ڈاکو ہوتے ہیں اور شیوخ ایمان اور قلب کے ڈاکو ہیں۔ شیخ خود بندہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بندہ بنانے والا ہوتا ہے۔ پس اس میں تمیز کرنا کچھ مشکل نہیں کہ وہ شیخ واقعی شیخ ہے یا متصنع (۱)۔

مصنوعی شیخ اور واقعی شیخ کو پہچاننے کا طریقہ

بس یہ دیکھ لو کہ اس کے پاس رہنے سے عبودیت حاصل ہوتی ہے یا نہیں یا خود اس کے خفیہ حالات میں عبودیت غالب ہے یا نہیں۔ بنائی ہوئی بات چھپ نہیں سکتی، یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی بنظر غور دیکھے اور تصنع ظاہر نہ ہوجائے غرض بڑی شکایت اس بات کی ہے کہ کبھی اس تلاش کے لیے بھی گھر سے قدم نہیں نکالا نہ کچھ وقت صرف کیا اور نہ کچھ مال ہی صرف کیا میں کہتا ہوں کہ آج کل تو اس قدر سہولتیں ہیں کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی ہوں گی۔ سفر بہت آسان ہے وقت بھی تھوڑا لگتا ہے، دام بھی تھوڑے خرچ ہوتے ہیں، لوگوں میں ہم نے یہ خبط تو دیکھا ہے کہ ذرا سی جڑی بوٹی کی تحقیق کے لیے بڑے بڑے سفر کرتے ہیں اور اس کو بڑا فخر سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والوں کو کہتے ہیں کہ ان کی طبیعت میں جمود ہے، تحقیقات کا مادہ ہی نہیں اسی وجہ سے ترقی نہیں ہوتی بعضوں کو یہاں تک بھی دیکھا کہ جب ملازمت سے چھٹی اور تعطیل ہوتی ہے تو تبدیل آب وہوا اور تفریح طبع کے لیے شملہ یا منصوری یا نینی تال جاتے ہیں اور اس میں بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں تو فضول کا تو اہتمام اور ضروری دین کا اس سے عشر عشیر (۲) بھی نہیں۔

---

(۱) بناوٹی شیخ (۲) سوواں حصہ۔

صاحبو! اب میں تو اس پر کیا فتویٰ لگاؤں آپ خود ہی اس فعل کے نیک و بد ہونے کا فیصلہ کر لیجئے، میں اس لیے فتویٰ نہیں لگا سکتا کہ فتویٰ دینے میں مجھے اس کا ثبوت دینا پڑے گا کہ شملہ جانا اور نینی تال جانا ناجائز ہے اور فقہ میں کوئی صریح جزئیہ ایسا ہے نہیں جو میں آپ کے سامنے پیش کر کے آپ کو محجوج(۱) کر دوں اور اگر قواعد سے فتویٰ دیا جائے تو اس کو مانتا کون ہے مگر میں آپ سے ایک مثال فرض کر کے پوچھتا ہوں کہ جس شخص کو کھانے کی ضرورت ہو اور وہ کھانا نہ کھائے بلکہ اس کے بجائے تفریح کے لیے بازار میں ٹہلتا پھرے اور سرمایہ وہاں فضول اشیاء میں فنا کر دے تو کیا اس تفریح پر آپ کوئی فتویٰ لگا سکتے ہیں۔ دنیا بھر کے مفتی اکٹھے ہو جائیں تو بازار میں ٹہلنے کی ممانعت صراحۃً ثابت نہیں کر سکتے۔لیکن اگر اس نے یہی عمل رکھا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس عمل کا انجام یہ ہوگا کہ وہ بھوک کے مارے مرجائے گا اس کی وجہ کیا ہے حالانکہ اس نے کوئی ناجائز فعل نہیں کیا، دونوں فعل ظاہر میں شرعاً جائز تھے، کھانا بھی اور بازار میں پھرنا بھی مگر پھر بھی اس فعل کے مذموم(۲) ہونے کی وجہ اگر ہو سکتی ہے تو یہی ہو سکتی ہے کہ دونوں فعل اگرچہ مباح تھے لیکن ان میں ترتیب کی ضرورت تھی، ضروری کو اول اور غیر ضروری کو بعد میں رکھنا چاہیے تھا۔

جائز کاموں میں ترتیب بھی ضروری ہے

اس شخص نے اس ترتیب کا خیال نہیں کیا اس واسطے ہلاک اس پر مرتب ہو گیا اس کو چاہیے تھا کہ پہلے کھانا کھاتا اس کے بعد بازار میں ٹہلتا اور زائد رقم اس میں صرف کرتا بلکہ اگر وقت یا سرمایہ نہ بچتا تو اس کام کو حذف ہی کر دیتا یہ بہت سی موٹی بات ہے اس میں کسی کے فتویٰ دینے اور سمجھانے کی ضرورت نہیں، موٹی سی موٹی عقل کا آدمی بھی اس کے خلاف نہیں کہے گا۔

اس نظیر کے بعد جڑی بوٹی کی تحقیقات کے لیے سفر اور تفریح کے لیے سفر کرنے پر میں آپ ہی سے فتویٰ پوچھتا ہوں کہ مولوی تو الگ ہیں وہ کوئی صریح فتویٰ اس پر نہیں دیں گے کیونکہ آپ ان سے دلیل مانگیں گے کہ قرآن و حدیث میں یا کسی اور کتاب میں کہاں لکھا ہے کہ جڑی بوٹیوں کی تحقیقات کے لیے یا تفریح طبع کے لیے سفر نہ

---

(۱) مغلوب کر دوں (۲) برے۔

کرو، غرض ہم تو اس تقدیم دنیا علی الدین[1] کے متعلق فتویٰ لگانے سے عذر کردیں گے لیکن آپ ہی فرمائیے کہ آپ کے پاس اس عقلی فتویٰ سے بچنے کی کیا ترکیب ہے جو اس شخص پر لگایا تھا جو اس تقدیم دنیا علی الدنیا[2] مرتکب ہورہا ہے یعنی جو کھانا نہیں کھاتا اور بازار میں ٹہلتا پھرتا ہے وہاں آپ کا فتویٰ یہ ہوگا کہ اس نے دو کاموں میں ترتیب ملحوظ نہیں رکھی اس واسطے نتیجہ اس کا ہلاک ہوا۔ اسی طرح یہاں بھی دو کام ہیں ایک جڑی بوٹیوں کی تحقیق اور تفریح کے لیے سفر کرنا اور ایک شیخ کی تلاش کے لیے سفر کرنا ان دونوں میں بھی ترتیب ہونی چاہیے یا نہیں یہ بات تو ماننی پڑے گی کہ ترتیب ہے کیونکہ مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ دین کی اصلاح ضروری اور مقدم نہیں اس وقت مخاطب سب مسلمان ہی ہیں ان کے سامنے اس پر دلیل وغیرہ لانے کی کچھ ضرورت نہیں کہ اصلاح دین، اصلاح دنیا سے مقدم ہے۔

جب یہ مسلم ہوا تو اب میں پوچھتا ہوں کہ تحقیقات اور تفریح طبع کے لیے سفر کرنے والوں پر فتویٰ یہ کیوں نہیں عائد کیا جاتا کہ انہوں نے ترتیب کا خیال نہیں رکھا اور کیا کوئی برا نتیجہ اس پر مرتب نہ ہوگا جیسا کہ اس شخص پر ہوا تھا جو بھوک کے وقت کھانا چھوڑ کر بازاروں میں ٹہلتا پھرتا تھا۔ ضرور مرتب ہونا چاہیے اس پر اگر ہلاک جان کا ترتب ہوا تھا تو اس پر ہلاک ایمان کا ترتب ہونا چاہیے کیونکہ کھانا محافظ جان ہے اور شیخ محافظ ایمان۔ ذرا تو انصاف چاہیے ہم گو ضابطہ کا فتویٰ نہ دیں لیکن آپ ہی کا فتویٰ موجود ہے۔

ہم پیش نواز دست تو میخواہیم داد ۔۔۔ فریاد زدستت کہ آورم پیش[3]

شیخ کو تلاش کرنے کی شرعی دلیل

عقلی فتویٰ سمجھا دینے کے بعد اب میں تبرعاً شرعی فتویٰ بھی بیان کرتا ہوں کیونکہ اس نظیر کے سمجھنے کے بعد اب شرعی فتویٰ بھی سمجھ میں آجائے گا، سو یاد رکھئے کہ گو شریعت میں تحقیقات کے لیے سفر کی اور منصوری، شملہ پر جانے کی صراحۃً ممانعت نہیں مگر

---

(۱) دنیا کو دین پر مقدم کرنا (۲) دنیا کو دنیا پر مقدم کرنے کا یعنی اگرچہ دونوں کام دنیا ہی کے ہیں لیکن اس میں ترتیب قائم نہیں رکھتا (۳) ''آپ کے ہاتھ کی فریاد کس کے پاس لے کر جاؤں؟ آپ کے سامنے آپ ہی سے انصاف چاہتا ہوں''۔

فقہاء نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ ''الاھم فالاھم'' کی رعایت واجب ہے[۱] جس وقت جو کام اہم ہو اس وقت اس کام کا کرنا واجب اور جو شے اس میں مخل ہو اس کا ترک واجب ہے۔ چنانچہ اگر نماز کا وقت ہو، جماعت تیار ہو اور اس وقت ایک کافر آپ سے کہے کہ مجھے مسلمان کر دو تو اس وقت اس کو مسلمان کرنا واجب ہے اور جماعت ترک ہو جائے تو اس کی پروا نہ کی جائے گی حالانکہ جماعت بھی شرعاً واجب ہے اسی طرح اگر ایک شخص حج نفل کا ارادہ کرتا ہو اور اندیشہ یہ ہے کہ سفر میں نمازیں قضا ہوں گی اس کے لیے حج نفل کی اجازت نہیں تو جب شریعت نے ''الاھم فالاھم''[۲] کے قاعدے کا اتنا لحاظ کیا ہے کہ اہم کی وجہ سے دوسرے واجب اور نفل کا ترک واجب کر دیا تو بتلایئے کہ اصلاح دین جب اہم اور مقدم ہے اور شملہ، منصوری کا سفر اس میں مخل ہو رہا ہے[۳] اور مصلح کے پاس جانے سے مانع[۴] ہے کیونکہ اس مدت تعطیلی[۵] کے سوا کوئی وقت فراغ کا آپ کے پاس نہیں تو اس حالت میں یہ سفر آپ کے لیے کیوں کر جائز ہوگا اور ترک اہم کی وجہ سے یہ مباح کیوں ممنوع نہ ہو جائے گا؟ افسوس ہے کہ جتنی سہولتیں آج کل شیخ کی تلاش میں ہیں اتنا ہی لوگوں نے اس کو دشوار کر لیا ہے وہ اس طرح کہ ارادہ ہی نہیں کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ کوئی تعطیل[۶] تو اس کام میں صرف کی ہوتی پھر میں یہ شکایت خوشی سے سنتا کہ آج کل شیخ کامل کا کال[۷] ہے اور کوئی میسر نہیں آیا حالانکہ ایک دفعہ کی تلاش میں میسر نہ آنا بھی کافی عذر نہیں، ایک ایک جڑی بوٹی کی تلاش میں لوگوں نے عمریں کھپا دی ہیں مگر خیر کسی درجے میں تو عذر ہو جاتا مگر اب تو یہ بھی نہیں کیا جاتا یعنی ایک سفر کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔

شیخ کی تلاش کا آسان طریقہ

بلکہ اس سے بھی زیادہ سہولت یہ ہے کہ جس شخص کی طرف خیال ہو اس کی تصانیف اور اقوال دیکھیے سفر کی بھی حاجت نہیں۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ طلب کی نظر سے اور تحقیق کی نظر سے دیکھیں گے تو متصنع اور غیر متصنع[۸] کا حال فوراً ہی کھل جائے گا۔ مگر کچھ تو کیجئے شکایت تو اس بات کی ہے کہ کچھ بھی نہیں کرتے کبھی شیخ کی

(۱) یعنی جو جتنا زیادہ ضروری ہے اسے اتنا مقدم کیا جائے۔ (۲) جو بات اہم ہو اس کا اہتمام پہلے کرنا چاہئے (۳) رکاوٹ بن رہا ہے (۴) رکاوٹ ہے (۵) چھٹی کا وقت (۶) چھٹی (۷) کمی، نہیں ملتا (۸) بناوٹی اور غیر بناوٹی کا پتہ لگ جائے گا۔

طرف طلب کی نگاہ بھی نہیں اٹھائی اور شکایت کرنے لگے کہ کوئی کامل ملتا ہی نہیں یہ تو عام لوگوں کی غلطی ہے اور میں نے کہا تھا کہ اس میں خواص بھی مبتلا ہیں۔

خواص کی ایک بے جا شکایت اور اس کا جواب

ان کی سنیئے کہ اگر کسی کو تلاش سے یا بلا تلاش کوئی شیخ مل بھی گیا تو اب ان کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ اتنے دنوں سے ہم ان سے تعلق رکھتے ہیں اور کوئی بات بھی حاصل نہیں۔ اول تو تعلق با قاعدہ نہیں رکھتے تعلق صرف ہاتھ میں ہاتھ دینے کا نام رکھا ہے بعض ایسے مرید ملتے ہیں جو مصافحہ کرتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ آپ نے پہچانا نہیں، میں کہہ دیتا ہوں کہ تم نے اپنے کو پہنچوایا ہی نہیں۔ جواب ملتا ہے کہ چار برس ہوئے جب فلاں جگہ آپ سے بیعت ہوئے تھے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ میرے پاس مریدوں کی ایک فہرست رہتی ہے اور صرف رہتی ہی نہیں بلکہ میں اس کو رٹتا بھی رہتا ہوں بلکہ مریدوں کے فوٹو بھی رکھتا ہوں کہ جب کوئی سامنے آیا فوراً پہچان لیا۔ صاحبو! ایسا تعلق تعلق نہیں ہے بلکہ دل لگی ہے جو کسی درجہ میں بھی کارآمد نہیں۔ سو ایک تو تعلق کی یہ گت (۱) ہے اور بعض لوگ تعلق بھی با قاعدہ رکھتے ہیں، خط و کتابت بھی رکھتے ہیں، اور آتے بھی ہیں رہتے بھی ہیں، ذکر و شغل بھی کرتے ہیں مگر چار دن میں ہی یہ شکایت ہوتی ہے کہ دل میں کچھ رونق پیدا نہیں ہوئی۔ کے آمدی و کے پیر مرشدی (کب آئے اور کب پیر ہو گئے) بندہ خدا دل میں رونق اتنی جلدی کیسے حاصل ہو سکتی ہے وہ کون سا کام ہے جو چار دن میں آ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ رونق ہے کیا چیز۔ اللہ کی طلب مقصود ہے یا دل کی رونق اگر ساری عمر بھی رونق حاصل نہ ہو تو ضرور نہیں۔ رونق تو بازار میں بھی حاصل ہو جاتی ہے اور ناجائز مجمعوں میں تو بہت ہی کچھ حاصل ہوتی ہے اگر رونق کی طلب تھی تو وہاں جانا چاہیے تھا یہاں تو ویرانی ہی ویرانی ہے گو وہ ویرانی بھی اور قسم کی ہے۔

مترس از محبت کہ خاکت کند   کہ باقی شوی چوں ہلاکت کند (۲)

طالب کے لیے کیفیات کی طلب خطرناک ہے

طالبین کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کیفیات کے پیچھے نہ پڑیں اس میں بہت دھوکہ

---

(۱) ایک تو تعلق کے ساتھ یہ مزاح ہے (۲) ''محبت سے یہ مت ڈرو کہ وہ تمہیں خاک کر دے گی جب تم خاک ہو جاؤ گے تو ہمیشہ کے لیے باقی ہو جاؤ گے''۔

ہوتا ہے۔ بعض وقت آدمی کسی کیفیت سے بہت مسرور ہوتا ہے اور انجام اس کا یہ ہوتا ہے کہ اسی کو مقصود سمجھنے لگتا ہے پھر اگر وہ جاتی رہے تو مایوس ہوتا ہے اور اگر وہ نہ جائے تو تمام عمر اسی کا ہو رہتا ہے حالانکہ یہ خفی شرک ہے (۱) کیونکہ کیفیت کوئی بھی ہو غیر اللہ ہے اور طالب اللہ کا ہونا چاہیے نہ کہ غیر اللہ کا، یہ بڑا دھوکا ہے اس سے آدمی بلا اعانت شیخ کامل کے بڑی مشکل سے بچتا ہے جس کا مقصود کیفیات ہوتے ہیں ان کے جاتے رہنے کے وقت ان کو ایسا صدمہ ہوتا ہے جیسے اپنا کوئی محبوب مر گیا۔ دیکھیے حق تعالیٰ تو فانی نہیں جو طالب اللہ کا ہے اس کو یہ وقت کبھی پیش نہیں آتا کیونکہ اس کا محبوب تو موجود ہے اس کی اگر تمام کیفیات بھی سلب ہو جائیں تو وہ یہ کہے گا۔

روزہا گرفت گو روباک نیست تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست (۲)

جو لوگ چار دن میں شکایت کرنے لگتے ہیں حقیقت میں ان کی نظر مقصود پر پڑی ہی نہیں اگر نظر پڑی ہوتی تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مقصود حاصل ہو چکا ہے تب یہ شکایت کس بات کی؟ اور اگر حاصل نہیں ہو چکا ہے تب بھی شکایت کا موقع نہیں اس واسطے کے مقصود جتنا ذی وقعت (۳) ہوتا ہے اتنی ہی وصول میں دیر لگتی ہے اور شکایت کا موقع نہیں ہوتا۔ اگر حق تعالیٰ پر نظر پڑی ہے تو ان کی وقعت کے سامنے کوئی مدت بھی دیر میں داخل نہیں پھر جلدی کرنا کیا معنی؟ بس یا تو مقصود کی وقعت (۴) ہی ان کے ذہن میں نہیں یا مقصود پر نظر ہی نہیں پہنچی۔ کیفیات کے دھیان میں لگنے کے یہ نتائج ہیں ایسی جلدی جب ہی ہوتی ہے جب کہ مقصود متعین نہ ہو یا اس کی عظمت ذہن میں نہ ہو۔ دیکھیے ڈپٹی کلیکٹری کے لیے کتنی مدت کی ضرورت تھی جس کو اس مدت میں کامیابی ہو جاوے تو وہ اس کو دیر میں کامیابی نہ کہے گا پھر حیرت ہے کہ خدا مطلوب ہے اور دیر کے لیے آمادگی نہیں کہ ادھر رات کو اللہ اللہ کیا اور صبح تک معراج کا فرشتہ نہ آ گیا تو کہتے ہیں کہ ساری محنت اکارت (۵) ہے یہ تو وہی قصہ ہوا کہ ''اِذَاصَلّٰی یَوْمَیْنِ اِنْتَظَرَ الْوَحْی ''(۶)۔

چنانچہ ہماری بستی محلہ خیل میں ایک شخص جاہل تھے۔ بہت عابد زاہد، تہجد گذار،

(۱) یہ شریک کی ایک پوشیدہ قسم ہے (۲) ''سارے دن ہی گزر جائیں گے تو گزر جائیں کچھ ڈر نہیں، ہاں آپ رہ جائیں کیونکہ آپ کے سوا کوئی پاک نہیں'' (۳) اونچے مرتبے والا (۴) قدر (۵) ضائع (۶) ''دو دن نماز پڑھی اور وحی کا انتظار شروع کر دیا''۔

پابند صوم وصلوٰۃ تھے، لوگوں کو ان کی طرف میلان بھی تھا اور کہتے تھے کہ وہ بزرگ آدمی ہیں ایک شخص نظام الدین نام کا انہی کے محلے میں رہتا تھا وہ مسخرہ تھا اور ان سے بد عقیدہ تھا جب لوگ کہتے کہ یہ بزرگ آدمی ہیں تو وہ کہتا کہ جاہل کی کیا بزرگی؟ لوگ اس کو برا بھلا کہا کرتے تھے، ایک روز اس نے تماشہ کیا، جب وہ عابد صاحب تہجد کے لیے اٹھے تو یہ چھت پر جا بیٹھے اور بہت باریک آواز میں انہیں پکارا، انہوں نے کہا کون؟ جواب دیا میں ہوں جبرائیل، خدا تعالی کی طرف سے پیغام لایا ہوں کہ اب تم بوڑھے ہو گئے اور موسم بھی سردی کا ہے رات کو اٹھ کر وضو کرتے ہو بہت تکلیف ہوتی ہے، ہم کو شرم آتی ہے جاؤ ہم نے تمہیں اب نماز معاف کر دی، یہ سن کر بے حد خوش ہوئے اور خوب پر پھیلا کر سوئے یہاں تک کہ صبح کی نماز میں بھی نہیں آئے، لوگوں نے یہ سمجھا کہ کچھ طبیعت خراب ہوگئی یا آنکھ لگ گئی ہوگی اس لیے نہ آئے ہوں گے لیکن وہ دوسرے وقت بھی نہ آئے یہاں تک کہ کئی وقت گزر گئے تب محلہ کے آدمی مزاج پرسی کے لیے گئے، جا کر دیکھا ہٹے کٹے بہت خوش، چارپائی پر لوٹ مار رہے ہیں۔

لوگوں نے کہا میاں جی کیسا مزاج ہے؟ کہنے لگے بہت اچھا ہوں۔ کہا نماز کو کیوں نہیں آتے؟ تو بہت اینٹھ (۱) کر بولے کہ بھائی بہت نماز پڑھی اب خدا نے سن لی ہے۔ اور جو غرض تھی نماز سے وہ حاصل ہوگئی ہے۔ اب میرے پاس فرشتہ آنے لگا، پرسوں یہ پیغام لایا تھا کہ اب نماز معاف کر دی گئی ہے۔ وہ مسخرہ جو دور بیٹھا تھا دیکھ رہا تھا، قہقہہ مار کر ہنسا اور کہا دیکھ لی جاہل کی بزرگی؟ لوگوں نے کہا ظالم تو نے غضب کر دیا یہ تو ایک جاہل کا قصہ ہے جس کو سن کر اس کو بہت ہی خفیف (۲) نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مگر صاحبو! تعجب ہے کہ ہم اس کا تو مضحکہ (۳) بناتے ہیں لیکن اپنے حالات دیکھیں تو وہ بھی اس ہی جیسے ہیں کہ چار دن میں انتظار کرنے لگے حق تعالی کے ملنے کا، بتلایئے فرق کیا ہے ہماری اس حرکت میں اور اس جاہل کی حرکت میں بلکہ یہ حرکت اور زیادہ خفیف ہے (۴) اس واسطے کہ اس نے تو تمام عمر کی عبادت پر اس ترقی کو مرتب سمجھا ہوا اور ہم چار ہی دن کے ذکر پر اس کے منتظر ہوں تو اس کا معراج کا انتظار اتنا مستبعد (۵) نہ ہوا

(۱) اکڑ کر (۲) معمولی (۳) مذاق اڑاتے ہیں (۴) ہلکی ہے (۵) دور۔

جتنا کہ ہمارا ہے یہ کیسی غلطی ہے ایک تو یہ غلطی ہے۔

ایک اور غلطی

اور دوسری غلطی یہ ہے کہ بعض دفعہ کوئی چیز غیر مطلوب پیدا ہوگئی مثلا بدن میں حرارت پیدا ہوگئی یا دل میں حرکت بڑھ گئی تو اپنے آپ کو کامل سمجھنے لگتے خوب کان کھول کر سن لیجیے کہ ذکر پر جو نتیجہ موعود ہے وہ یہ ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (۱) بس اسی کا وعدہ ہے یہ ضرور مرتب ہوتا ہے اس کے سوا کسی بات کا وعدہ نہیں کوئی بات پیدا ہو یا نہ ہو بلکہ پیدا ہونا بعض اوقات خطرناک ہوتا ہے۔ غرض نتیجہ کے تو مرتب ہونے میں کچھ شبہ نہیں اور واقعی نتیجہ ہے بھی یہی اور یہی اس قابل ہے کہ اس پر دھیان لگایا جاوے باقی اس کے سوا دوسری کیفیات اور احوال چیز ہی کیا ہیں؟ کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ ہماری یاد وہاں ہو اگر کسی کو ایک دفعہ کوئی معمولی حاکم یاد کر لے تو اس کا دماغ آسمان پر چڑھ جاتا ہے پھر خدا تعالی کا یاد کرنا تو کتنی بڑی چیز ہے اور اس سے زیادہ کیا نتیجہ چاہیے؟ پھر جب موعود نتیجہ (۲) یہ ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر ذاکر (۳) کو کسی دلیل سے یہ ثابت ہو گیا ہو کہ یہ نتیجہ میرے ذکر پر مرتب نہیں ہوا تب تو شکایت کا موقع ہے لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے کیونکہ یہ بات عقائد میں داخل ہے کہ خلف وعدہ (وعدہ خلافی) نہیں ہوسکتا۔ فرشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آچکا اور وعدہ سنا گیا کہ جب کوئی ذکر کرے گا تو حق تعالی اس کا ذکر کریں گے نیز حدیث میں ہے من ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي ومن ذكرني في ملاء ذكرته في ملاء خير منه) یعنی جو مجھ کو چپکے چپکے یاد کرتا ہے میں اس کو چپکے چپکے یاد کرتا ہوں اور جو کوئی مجھ کو مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس سے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں)وہ بہتر مجمع کون ہے؟ ارواح انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ ہیں۔ جب یہ وعدہ ہو چکا اور عقیدہ ہے کہ وعدے کے خلاف ہو نہیں سکتا تو ہر ذکر کے بعد یقیناً ثمرہ مترتب ہوتا ہے اور کیسا ثمرہ جو کہ تمام ثمروں سے اچھا، اول تو حق تعالی کا یاد کرنا اور پھر بعض صورتوں میں ایسے مجمع میں جس کا ایک ایک فرد تمام دنیا سے افضل ہے۔

دیکھیے اگر کسی کو یہ خبر دی جائے کہ بادشاہ سلامت دربار خاص میں تمہارا ذکر کر

(۱) ''ان نعمتوں پر مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا'' البقرہ ۱۵۲ (۲) جس نتیجے کا وعدہ کیا گیا (۳) ذکر کرنے والے

رہے تھے تو اس کی کیا حالت ہو، بلا مبالغہ ان گر کھلے(۱) کے بند ٹوٹ جائیں گے، خواہ اس ذکر کا کوئی کارآمد نتیجہ بھی متفرع (۲) نہ ہو یعنی کوئی جاگیر یا کوئی منصب ملنے کی بھی امید نہ ہو صرف اس بات پر مرتے ہیں کہ بادشاہ نے یاد تو کیا حالانکہ ہم ہی جیسا ایک آدمی ہے اور دربار کا سارا مجمع بھی ہم ہی جیسے افراد کا مجموعہ ہے۔ تمام دنیا کے بادشاہوں اور عظماء کو خدائے احکم الحاکمین اور انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ سے کیا نسبت؟ شادی مرگ (۳) ہو جانا چاہیے جب کہ ہم سنیں کہ حق تعالیٰ نے ہم کو یاد کیا ہے غرض وہ ثمرہ یہ ہے اور کتنی بڑی بات ہے مگر ہم لوگوں نے اپنی عقلوں کو کیسا مسخ کر لیا ہے کہ اس کو کسی شمار ہی میں نہیں لاتے اور ان ثمرات کا جو کہ بالکل بے اصل ہیں (یعنی ثمرات اصلیہ کے سامنے) انتظار کرتے ہیں۔ صاحبو! میں دل سوزی سے مشورہ دیتا ہوں کہ اگر کسی وقت ثمرات زائدہ کا دل پر تقاضا ہو تو یوں کہا کیجیے

یا بم اورا یا نیا بم جستجوئے میکنم حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم (۴)

بہر حال لوگوں کو ان زوائد میں ابتلاء (۵) ہو گیا ہے اور اصلی چیز کا پتہ نہیں اور اگر اصلی چیز کی خواہش بھی ہوتی ہے تو یہ چاہتے ہیں کہ مفت مل جائے کچھ کرنا نہ پڑے اور ناقص طلب پر اپنے آپ کو امیدوار سمجھتے ہیں۔

آخرت کے لیے کوشش دنیا کی سی نہیں کی جاتی

مگر اس قسم کی امید واری صرف آخرت ہی کے بارے میں ہے، دنیا کی امیدواری کبھی اس طرح نہیں کرتے وہاں تو کوشش میں جان توڑ دیتے ہیں اور کوئی ایسا کرے کہ غلہ کی تمنا کرے اور کھیتی نہ کرے اور نہ اس کی سنچائی کرے اور اپنے آپ کو غلہ کا امیدوار رکھے تو ہر کس و ناکس بلا شبہ اس کو یہی کہے گا کہ پاگل ہے، اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور یوں کہتے ہیں کہ یہ غلط چال چلتا ہے نا دانہ بویا، نہ پانی سینچا اور غلہ کا امیدوار بن بیٹھا اور اگر کسی نے ساری تدبیریں کر کے پھر کہا کہ کام تو سب کر لیا ہے اب خدا سے امید ہے، اس کو لوگ کہیں گے کہ یہ صحیح چال ہے یا مثلاً ایک شخص اولاد چاہتا ہے اس کو ہر شخص مجنوں کہے گا حالانکہ اس شخص کے پاس ایک نظیر بھی اس کی ہے کہ بلا نکاح کی اولاد ہوئی

(۱) ایک قسم کا مردانہ لباس (۲) برآمد (۳) خوشی میں مر جانا چاہیے (۴) ''اسے پاؤں یا نہ پاؤں جستجو کر رہا ہوں پوری ہو یا نہ ہو آرزو کر رہا ہوں'' (۵) فضول باتوں میں پڑ گئے ہیں۔

ہے۔ سب جانتے ہیں کہ آدم علیہ السلام بلا مرد و عورت کے پیدا ہوئے۔ حضرت حوا علیہ السلام بدوں (۱) عورت کے پیدا ہوئیں، عیسیٰ علیہ السلام بدوں مرد کے پیدا ہوئے جبکہ یہ نظیریں موجود ہیں تو کسی کو انکار اور اعتراض کا چنداں موقع نہیں مگر پھر بھی کہتے ہیں اس کو پاگل ہی۔

امید کے صحیح معنی

تو اصل اس کی یہ ہے کہ سب مقاصد میں امید کے معنی جمع اسباب کے بعد توقع حصول نتیجہ (۲) ہے مگر حیرت ہے کہ طلب خدا کے بارے میں امید کے عجیب معنی گھڑے گئے ہیں کہ نہ تقوی کی ضرورت، نہ طہارت کی، نہ کسی چیز کی اور امید ایسی گہری کے یقین سے بھی کسی درجے میں بڑھی ہوئی کیوں صاحب کیا یہ بھی کوئی خاصیت ہے کہ امید کے ساتھ جب دنیا کا نام لگے تو اس میں بہت سے شرائط ہوں اور جب آخرت کا نام لگے تو بالکل شرائط حذف ہو جائیں کوئی شرط وقید باقی نہ رہے۔

امید کے معنی میں نفس کا دھوکہ

دیکھ لیجئے یہ کس درجہ نفس کا دھوکہ ہے کبھی تو غور کرنا چاہیے کہ وہی ایک لفظ ہے ایک جگہ اس کے معنی کچھ ہو جاتے ہیں اور دوسری جگہ کچھ، لغت میں تو کہیں نہیں لکھا کہ امید دو معنوں میں مستعمل ہے افسوس ہم نفس و شیطان کے سامنے ایسے بھولے بنے ہیں کہ جس طرح وہ چاہے بہکا لیتا ہے اس کے اقوال میں یہ بھی نہیں دیکھتے کہ یہ ایک لفظ کے دو معنی کس قاعدہ سے لیتا ہے۔

ایک طالب علم کی بوالہوسی کا قصہ

ایک طالب علم تھے، فاقہ کرتے تھے مگر دماغ میں ایک شہزادی سے نکاح کی سمائی ہوئی تھی کسی نے ان سے پوچھا کہ میاں کچھ امید بھی ہے کچھ آثار بھی ایسے ہیں جن سے امید پڑے؟ کہا جی ہاں آدھا سامان تو ہو گیا ہے آدھا باقی ہے۔ پوچھا وہ آدھا کیا ہے؟ کہا میں تو راضی ہوں مگر وہ راضی نہیں یعنی نکاح میں دو جز ہیں ایجاب وقبول، میں تو ایجاب کے لیے تیار ہوں اس کا قبول کرنا باقی ہے بس ایسے ہی ہمارا سامان آخرت ہے کہ ہم تو جنت کے لیے تیار ہیں فقط ادھر کی منظوری باقی ہے۔ صاحبو! نری باتوں اور خالی

(۱) بغیر (۲) اسباب جمع کرنے کے بعد نتیجہ کی امید اور توقع رکھنا۔

آرزوؤں سے کہیں کام چلتا ہے خوب یاد رکھو

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال صدسال میتواں بتمنا گریستن

عرفی اگر صرف رونے سے ملاپ ممکن ہوتا تو اس آرزو میں سو سال رویا جا سکتا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

لو كان هذا العلم يدرك بالمنى ما كان يبقي في البريه جاهل

فاجهد ولا تكسل ولا تك غافلا فندامة العقبى لمن يتكاسل[1]

یہ سب نفس کے دھوکے ہیں کہ زندگی بھر انہی ابلہ فریبیوں (بے وقوفی کی باتیں) سے آدمی کو کام سے روکتا ہے۔ اور جب موت آگئی تو پلہ جھاڑ کر بے حیا الگ ہو گیا اور کہہ دیا إِنَّ ٱللَّهَ وَعَدَكُمۡ وَعۡدَ ٱلۡحَقِّ وَوَعَدتُّكُمۡ فَأَخۡلَفۡتُكُمۡ (یعنی سچی تو حق تعالی ہی کی بات تھی میں نے جو کچھ وعدے کر رکھے تھے وہ جھوٹے تھے آج اپنے ان سب وعدوں کے خلاف کر رہا ہوں اب جو ہو سکے میرا کرلو) کس قدر حسرت کا وقت ہوگا سو اس وقت سے پہلے ہی ہوش میں آجائیے اور اس دھوکے میں نہ رہیے کہ خواہ کوشش کریں یا نہ کریں کام ہو ہی جائے گا آپ کو خدا تعالی سے جو امید ہے یہ امید غلط معنوں میں ہے اور ایک وقت میں اس کی غلطی کھل جائے گی عمل میں کوشش کیجیے اور اس کے بعد حق تعالی سے امید رکھیے ہاں کوشش کر کے یہ نہ سمجھیے کہ یہ ہماری کوشش سے حاصل ہوا بلکہ کوشش کے بعد جو نتیجہ ہوتا ہے وہ بھی فضل خداوندی ہی ہے۔ یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ حق تعالی نے کیا دیا ہم نے کوشش بھی تو کی تھی کیونکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ کوشش کے بعد نتیجہ مترتب نہ ہو۔ چنانچہ بہت سے اسباب، مسببات میں اس کا مشاہدہ بھی ہو جاتا ہے اور مسلمان کے تو عقیدہ میں داخل ہے کہ کوئی چیز موجود نہیں ہو سکتی جب تک حق تعالی کا ارادہ نہ ہو تو کوشش کرنے کے بعد بھی نتیجے کا وجود از خود نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالی کی مشیت[2] سے ہوتا ہے۔

زیادہ کوشش سے آدمی کو تدبیر پر بھروسہ ہو جاتا ہے

یہ خرابی انہماک فی التدبیر[3] کی ہے کہ اس پر بھروسہ ہو جاتا ہے اسی واسطے

(۱) ''اگر یہ علم محض آرزوؤں سے ملا کرتا تو دنیا میں کوئی جاہل باقی نہ رہتا، کوشش کرو، سستی نہ کرو، غفلت نہ کرو سست آدمی کا انجام تو شرمندگی ہوتا ہے'' (۲) اللہ تعالی کے چاہنے سے ہوتا ہے (۳) تدبیر میں بہت زیادہ محنت اور توجہ۔

اجمال فی الطلب (۱) کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ تدبیر پر بھروسہ نہ ہونے پائے، لوگ کہہ تو دیتے ہیں کہ تدبیر میں کیا حرج ہے مگر حضرت آپ نے غور نہیں کیا جب سے تدبیر میں غلو ہوا ہے اس وقت سے لوگ فاعل حقیقی (۲) بننے لگے ہیں ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ فاعل حقیقی گو زبان سے کسی اور کو کہیں مگر یہ برائے گفتن (۳) ہے دل میں تدبیر پر اتنا بھروسہ ہے کہ اس کے بعد ترتب نتیجہ کے لیے مشیت ایزدی (۴) کا خیال بھی کم آتا ہے حالانکہ تدبیر کے بعد کام بمشیت ایزدی (۵) سے ہی ہوتا ہے دیکھو حق تعالیٰ ایک ایسے فعل کی نسبت جو ظاہراً تمہارا اختیاری معلوم ہوتا ہے کیا ارشاد فرماتے ہیں أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ﴿٦٤﴾ (۶) یعنی اپنے بونے کو بھی تم نے دیکھا اس کو تم اگاتے ہو یا ہم؟ دیکھ لیجیے ظاہری نظر میں تو کھیت کا پیدا ہونا اور غلہ حاصل کرنا انسان کا اختیاری فعل ہے پھر اس پر یہ سوال کیسے ٹھیک ہے کہ اس کھیت کو تم تیار کرتے ہو یا ہم؟

کسی فعل پر نتیجہ مترتب ہونے سے اس فعل کی نسبت اپنی طرف کرنا صحیح نہیں

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی فعل پر نتیجہ مترتب ہوتے دیکھ کر اس کی حقیقی نسبت اپنی طرف کرنا صحیح نہیں اور یہ واقعی بات ہے بے سوچے سمجھے کوئی کچھ کہہ دے لیکن غور کرنے کے بعد یہ بات اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ تمہارا دخل ترتب نتیجہ میں سوائے اس کے اور کیا ہے کہ تم نے آلات و ذرائع کو استعمال کیا، باقی ان کے استعمال پر نتیجہ کا ترتب اس میں تمہارے اختیار کو کیا دخل ہے تم تو کھیت میں دانہ پھینک کر اور غارت کر کے مٹی میں ملا کر چلے آئے تھے، وہاں مٹی میں مل کر جو کچھ تغیرات ہوئے اس کا تمہیں علم تک بھی نہیں ہوتا، اختیار تو کہاں سب کام اس کے اندر ہی اندر ہو کر سبز پتے کی صورت میں جب باہر نکل آیا تب تو تم کو یہ علم ہوا کہ اس دانہ کے سب کام ہو گئے بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی دانا نہیں جمتا اور آپ کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ وہ دانا کہاں گیا غرض کسی قسم کا اختیار سوائے استعمال آلات کے آپ کو نہیں، اگر کوئی کہے کہ ہم کو بعض چیزوں پر تو ہر طرح سے اختیارات ہیں دیکھو جب چاہیں بجلی بنا لیتے ہیں اور طرح طرح کی چیزیں بناتے ہیں تو میں یہ جواب دیتا ہوں کہ بجلی کا پیدا کرنا کیا تمہارے فعل

---

(۱) مختصر تدبیر اختیار کر کے اللہ پر بھروسہ کرنا (۲) حاصل کرنے والا (۳) کہنے کی حد تک (۴) نتیجہ حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالی کا خیال (۵) اللہ تعالیٰ کے ارادہ (۶) سورۃ الواقعہ: ۶۳، ۶۴

سے ہوا؟ تم نے تو صرف یہ کیا کہ چند چیزوں کو ملا دیا اس کے بعد جو بجلی پیدا ہوئی اس میں تمہارے اختیار کو کچھ بھی دخل نہیں تمہیں تو یہ بھی خبر نہیں کہ بجلی کیا چیز ہے یہ لوگ فلسفہ بھی نہیں جانتے۔ دیکھیے فلسفہ کا مسئلہ ہے ''القدرۃ تتعلق بالضدین'' یعنی قدرت کا تعلق ضدین کے ساتھ ہوتا ہے جیسے چلنا یا مٹھی بند کرنا کہ اس پر قادر اس شخص کو کہیں گے جس کے ارادہ کا تعلق مشی (۱) اور عدم مشی اور قبض اور بسط (۲) دونوں سے ہو سکے یعنی جب چاہے چلے اور جب چاہے نہ چلے اور جب چاہے مٹھی بند کرے اور جب چاہے کھول لے۔ اسی بنا پر میں سوال کرتا ہوں کہ بجلی کا پیدا کرنا اگر تمہاری قدرت میں ہے تو یہ جب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کا وجود اور عدم دونوں تمہارے اختیار میں ہوں۔ اب میں کہتا ہوں کہ آپ برق کے پیدا کرنے کے لیے آلات کو استعمال کیجئے اور یہ ارادہ کیجیے کہ برق (۳) پیدا نہ ہو، دیکھوں تو پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟ وہ ضرور پیدا ہوگی۔

اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ آپ کے اختیار میں صرف استعمال آلات ہے اور وجود برق (۴) آپ کے اختیار میں نہیں ورنہ ارادہ عدم کے وقت نہ پیدا ہوتی۔ یہ فلسفہ سے ثابت ہوا افسوس تو یہ ہے کہ فلسفہ کو بھی لوگ پورا نہیں پڑھتے صرف نام سے آشنا ہو کر (۵) فلسفی بن جاتے ہیں یہ گفتگو تو ایسی چیز میں ہوئی جو قلیل الوقوع ہے (۶) بجلی بنانا ہر شخص کو نہیں آتا اس کا اگر غیر اختیاری ہونا ثابت بھی کر دیا جائے تو کوئی شبہ کر سکتا ہے کہ یہ افعال غیر اختیاریہ کا ایک فرد ہوگا۔ اب ان افعال کو دیکھو جن کو آپ دن رات کرتے ہیں اور ان کی کثرت و تکرار (۷) کی یہ نوبت ہے کہ ہر وقت ان پر نتیجے کا ترتب دیکھ کر خیالوں میں عام طور سے یہ بات جم گئی ہے کہ یہ افعال ہمارے اختیار میں ہیں اور کبھی اس بات کی طرف وہم بھی نہیں جاتا کہ یہ افعال ہمارے اختیاری نہیں ہیں مثلاً ترکاری (۸) بازار سے لے آنا ایک کام ہے جو نہایت ادنیٰ درجہ کا اور معمولی کام ہے اور ہر روز کیا جاتا ہے اور اس معنی کو اختیاری بھی ہے کہ ہم چاہیں کریں نہ چاہیں نہ کریں مگر میں کہتا ہوں کہ یہ بھی اس درجے کا اختیاری نہیں جس درجے کا سمجھے ہو۔ بیان اس کا یہ ہے کہ جو کام بھی ہم کرتے ہیں پہلے دماغ میں اس کا ایک خیال اور نقشہ آتا ہے مثلاً جب ہم کو ترکاری لانا ہے تو پہلے دماغ

(۱) چلنا (۲) اپنے ارادے سے چلے اور رکے اور اپنے ارادے سے مٹھی بند کرے اور کھولے (۳) بجلی (۴) بجلی کا وجود (۵) واقف (۶) جس کا وجود کم ہے (۷) بار بار کرنے (۸) سبزی۔

میں اس کا نقشہ اس طرح آتا ہے کہ فلاں ترکاری لانا ہے اور وہ فلاں بازار میں ملے گی اور اس بازار کا فلاں فلاں راستہ ہے اور اتنی قیمت اس کے واسطے لے چلنا یہ سب باتیں ذہن میں آنے کے بعد ترکاری لانے کا کام انجام پاتا ہے اس قسم کے کام صبح سے شام تک صدہا دفعہ ہوتے ہیں اور ہر انسان کرتا ہے اور کبھی یہ خیال بھی نہیں جاتا کہ ایک ایک کام کے لیے اتنے بکھیڑے ہوتے ہیں مگر خدا نے عقل دی ہے اس کے ذریعے سے سمجھ سکتے ہو۔

ارادہ کے بعد کسی چیز کا ذہن میں آجانا اختیاری نہیں ہے

سو میں پوچھتا ہوں کہ ان سب افعال میں کون سا فعل آپ نے کیا اور کون سا از خود ہو گیا ان سب کاموں میں سے جو کام کسی قدر آپ کے اختیار سے ہوا وہ صرف ارادہ ہے، باقی ارادہ سے پہلے اس کی طرف التفات اور نقشہ ذہن میں آنا اور جتنے بھی کام تھے وہ سب بلا آپ کے اختیار کے ہوئے، دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر دماغ میں کسی چیز کا آجانا اختیاری ہے تو چاہئے کہ جو چیز آدمی سوچے فوراً سوچ کر سمجھ لے حالانکہ بعض چیزیں مدتوں تک سوچنے کے بعد آتی ہیں موجدین کے حالات آپ لوگ جانتے ہیں ان کا کام صرف یہ رکھا گیا ہے کہ سوچا کریں، برسوں سوچنے سے ایک کام کی ایجاد ہوتی ہے ،ان کی اختیاری اتنی بات تو ہے کہ سوچا کریں اور اگر دماغ میں آجانا ہی سوچنے والے کا کام ہے تو ۱۵ برس کیوں لگائے ؟ اول ہی دفعہ میں کیوں دماغ میں نہ لے آیا، اس واسطے آیت میں پوچھتے ہیں أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ (۱)

کھیت کا تیار ہونا یا پانی کا برسنا ہمارے اختیار میں نہیں

اس آیت میں کئی سوال ہیں، اول کھیتی کے متعلق پوچھتے ہیں ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ (۲) پھر فرماتے ہیں، لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿٦٦﴾ (۳) اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کریں یعنی اس میں دانہ ذرا بھی پیدا نہ ہو اور سب گھاس کوڑا ہی ہو جائے۔ پھر پانی کی نسبت فرماتے ہیں أَفَرَءَيْتُمُ ٱلْمَآءَ ٱلَّذِى تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ ٱلْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ ٱلْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾ (۴) یعنی

(۱) ’’بھلا دیکھو جو کچھ تم بوتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں‘‘ سورہ واقعہ ۶۳ (۲) ’’یعنی اس کھیتی کو تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں‘‘ سورۂ واقعہ: ۶۴ (۳) سورۂ واقعہ: ۶۵۔۶۶ (۴) سورۂ واقعہ: ۶۸۔۶۹۔

جو پانی دن رات پیتے ہو اسی کو بتاؤ کہ بادلوں میں سے تم اس کو اتارتے ہو یا ہم اتارتے ہیں۔ اسی طرح آگ کی نسبت فرماتے ہیں یہ وہ چیزیں ہیں جن کو ہم دن رات استعمال کرتے ہیں اور جن کو ہم اختیاری سمجھتے ہیں یہ سوال اس بات پر مبنی ہے کہ اختیاری سمجھنا غلط ہے اور یہ قاعدہ کچھ افعال دنیوی تک ہی محدود نہیں بلکہ اعمال اخروی میں بھی یہی ہے کہ ہمارے اختیار میں ارادہ ہے اس پر عمل کا وجود پھر عمل کی غرض کا متفرع [۱] ہونا یعنی جنت مل جانا ہمارے اختیار میں نہیں سوائے حق تعالی کے فضل کے۔ اگرچہ یہاں محاورات میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ جب ایک شخص نے نوکری کی اور مہینہ بھر تک کارگزاری اچھی رہی تو اب اس کی تنخواہ کام لینے والے کے ذمے ہوگئی مگر دنیا کے کاموں میں تو یہ حکم اس واسطے صحیح ہے کہ کارگزاری کرنے والے نے اپنے ارادہ اور قدرت سے کام کیا تھا اور جس کی نوکری کی تھی اس کے اختیار وقدرت کو اس کے فعل میں کوئی دخل نہیں اور اعمال آخرت میں ایسا نہیں ہے گو ہم بظاہر حق تعالی کے اجیر ہیں اور کارگزاری کرنے پر اپنے خیال میں اجر مانگ سکتے ہیں مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آیا ہمارے اختیار کو ان اعمال میں مستقل دخل ہے یا وہ اختیار بھی کام لینے والے ہی کا پیدا کیا ہوا ہے؟۔

سو گو بظاہر کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہم نے اپنے اختیار سے اعمال کیے اور ہاتھ پیر ہمارے قبضہ میں ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ آپ کا اعضاء کو کام میں لانا آپ کے ارادہ پر موقوف ہے اور یہ ٹھیک ہے کہ آپ کے ارادہ کرنے کے بعد اعضاء کام کرنے لگتے ہیں لیکن خود یہ ارادہ حق تعالی کے قبضہ میں ہے تو بعد قطع وساقط [۲] کے یہی کہنا پڑے گا کہ آپ کے افعال حق تعالی کے قبضہ میں ہیں اب آپ بتائیے کہ اگر ہم نے کچھ اعمال کیے جن کے بعد ہم جنت کے مستحق سمجھے جاتے ہیں ان میں ہماری کارگزاری کیا ہوئی؟ اعمال بھی باری تعالی کی طرف سے ہو گئے جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا اور جنت بھی حق تعالی کی طرف سے ملے گی پھر ہمارا نام بیچ میں کیسے آیا؟ یہ محض فضل ہے مگر غلطی سے ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اعمال پر دخول جنت ضرور مرتب ہونا چاہیے اور نتیجہ ہمارے فعل کا اثر ہے۔

(۱) مرتب ہو جانا (۲) درمیانی چیزوں کو ختم کرنے کے بعد۔

اعمال کے غیر اختیاری ہونے کی مثال

میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں جس سے اعمال اور نتائج کا تعلق اچھی طرح واضح ہو جائے گا دیکھئے گھڑی کے چلنے میں اتنا دخل آپ کا ضرور ہے کہ اس کو کوک دیں (۱) لیکن کوکنے کے بعد اس کو چلایا کس نے؟ یہ کوئی نہیں کہے گا کہ کوکنے (۲) والا چلا رہا ہے۔ کوکنے والے کا کام تو فنر (۳) کو اینٹھ دینا ہے اب چلا رہی ہے فنر کی طاقت۔

عشق من پیدا و معشوقم نہاں

میری محبت تو نظر آتی ہے مگر محبوب چھپا ہوا ہے۔ علی ہذا آپ کے افعال میں گو ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کر رہے ہیں مگر آپ کے تمام افعال کی انتہاء جا کر ارادہ پر ہوتی ہے اور ارادہ آپ کے قبضہ میں نہیں تو آپ کا کوئی فعل بھی آپ کے قبضہ میں نہیں ارادہ ڈالنے والے کا تو پتہ نہیں چلتا پھر جن افعال کی یہ حالت ہو ان پر اجر کا مترتب ہونا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ افعال کا نتیجہ ہے اور ان افعال کو اس میں دخل تام (۴) ہے۔ حقیقت میں کچھ بھی نہیں بلکہ یہ سب کچھ بمشیت باری تعالی (۵) ہے۔ غرض اس تقریر سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسباب کے بعد بھی مسبب کا ترتب بقبضہ خدا تعالی ہے اور جمع اسباب کے بعد بھی نتیجہ کا وجود یقینی نہیں اور اس سے جبر کا شبہ نہ کیا جائے اختیار کی نفی کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ایسا اختیار عبد (۶) کو نہیں جس کے استعمال کے بعد وہ اپنے کو مستحق معاوضہ سمجھے۔ خلاصہ یہ کہ اس تحقیق کا مقتضی تو یہ تھا کہ ہم اعمال صالحہ کرنے کے بعد بھی دخول جنت کے امیدوار نہ ہو سکتے کیونکہ سبب اور مسبب میں لزوم کا علاقہ نہیں۔ چہ جائے کہ اعمال بھی نہ کریں اور اپنے آپ کو امیدوار کہیں، یہ بھی محض خدا تعالی کا فضل اور محض عطاء ہی ہے کہ کچھ عمل ایسے بتلا دیے جن کے بعد اجر کا وعدہ ہے حالانکہ اس میں اور اجر میں کوئی علاقہ نہیں کیونکہ کسی کو مزدوری دینے کی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ اس سے کوئی کام ایسا لیا جائے جس کی کام لینے والے کو ضرورت ہو مثلا مزدور سے چھت پر مٹی ڈلوائیں تو اس کی مزدوری اس واسطے دی جائے گی کہ اس نے ایسا کام کیا جس کی ہم کو

---

(۱) چابی بھر دیں (۲) چابی بھرنے والا (۳) گھڑی کے اندر جو غزاری ہوتی ہے جس سے گھڑی چلتی ہے اس کو گھمانا ہے (۴) مکمل دخل (۵) اللہ تعالیٰ کے حکم (۶) حاصل کرنے۔

ضرورت تھی اور بعض وقت مزدوری یا انعام ایسے کام پر دیا جاتا ہے جس کی کام کرنے والے کو ضرورت تو نہیں لیکن وہ کام فی نفسہ اچھا ہے اور داد دینے کے قابل ہے جیسے کاریگر کوئی عمدہ چیز بنا کر امراء کے ہاں لے جاتے ہیں اور اس پر انعام ملتا ہے۔ اس صورت میں رئیس کو اس کی ضرورت تو نہیں تھی مگر وہ اچھی چیز ہے اس لیے انعام دے دیا تاکہ کاریگر کو ایسی ایجادات کا شوق بڑھے۔ حق تعالی کے یہاں دونوں باتیں نہیں حق تعالی کو کسی کام کی ضرورت ہے اور نہ کسی عمل میں ایسی ذاتی خوبی ہے جس کو دکھانے کے لیے وہاں پیش کیا جائے۔ ہر چیز کا حسن و قبح حق تعالی کے فرمانے پر ہے کسی چیز کو دربار خداوندی میں پیش کر کے اپنے کو کسی مزدوری یا انعام کا مستحق کس طرح سمجھا جا سکتا ہے؟ غرض اس کا مقتضی تو یہ ہے کہ اگر ساری عمر بھی آدمی نیک اعمال کرے تب بھی اس کو ایک پیسہ کا بھی مستحق نہیں سمجھا جا سکتا مگر حق تعالی کی عطا ہے کہ بلا کسی وجہ کے چند کام بتلا دیے کہ ایسا کرو ہم اتنا اجر دیں گے۔

اعمال اور نتیجہ کی مثال

اس کی مثال ایسی ہوگئی کہ ایک مزدور کو بلاویں اور یوں کہیں کہ تم بازار میں ٹہل آؤ، جتنے قدم جاؤ گے ہر قدم پر ایک روپیہ ملے گا اس صورت میں کیا کہا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ سلوک (۱) کرنا ہی منظور ہے۔ اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ اس مزدور کو کیا برتاؤ کرنا چاہیے کام پورا کرنا چاہیے یا نہیں اور کام کرنے کے بعد کیا اس کا یہ منہ ہے کہ مزدوری کا تقاضا کرے؟ ہرگز نہیں اور اگر اس صورت میں وہ کام بھی نہ کرے تب تو اس کو مزدوری کی امید میں رہنا نری حماقت ہے اور اگر کام کرے تو پوری مزدوری مانگنا یا اس کی امید رکھنا یہ بھی غلطی ہے۔ اس مثال کو خوب یاد کر کے اپنا برتاؤ حق تعالیٰ کے ساتھ دیکھ لیجئے جن کاموں پر نام نہاد کے لیے اعمال کا نام لگا کر حق تعالی نے اجر و ثواب کا وعدہ کر لیا ہے ان کو ہم کہاں تک پورا کرتے ہیں؟ ہرگز پورا نہیں کرتے لیکن اجر اور مزدوری کی امید بلکہ پوری سے بھی زیادہ لگا رکھی ہے۔

امید کے معنی میں غلطی

اور اس کا نام امید رکھا ہے اور سمجھ لیا ہے کہ یہی وہ امید ہے جس کی نسبت

---

(۱) احسان کرنا۔

حدیث میں ہے ''اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ'' ایمان تو خوف اور امید کے درمیان ہے۔ اور جس کی نسبت وارد ہے کہ نا امیدی کام شیطان کا ہے۔ صاحبو! ذرا غور سے کام لیجیے دنیا کے کاموں میں بھی کہیں اس قسم کی امید رکھی ہوتی اور کسی کے یہاں بلا کام کیے یا کم کام کر کے پوری مزدوری مانگنے کو پہنچے ہوتے مگر دنیا کے کاموں میں تو بے وقوف سے بے وقوف اور پاگل کو بھی اس قسم کا خیال نہیں آ سکتا اور آخرت کے کاموں میں اچھے اچھے عقلاء بھی اس امید کو لیے بیٹھے ہیں اور لوگ ان کو عقلمند کہتے ہیں یہ حالت تو ان لوگوں کی ہے جو نرے دنیا کے عقلمند ہیں اور دین سے ان کو تعلق کم ہے۔

اجر آخرت کا مدار محض عمل پر نہیں

میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں جو واقعی دیندار ہیں اور امید کو صحیح معنی میں سمجھے ہوئے ہیں کہ آپ لوگ اپنے کاموں میں دنیا کے لیے کے (کتنے) گھنٹے دیتے ہیں اور آخرت کے لیے کے (کتنے) گھنٹے، اگر دنیا کے لیے دس گھنٹے دیتے ہوں گے تو آخرت کے لیے ایک گھنٹہ بھی غالبا نہ ہوگا اب اجر کا حساب لگائے تو اگر دس گھنٹے کے پچاس روپے ملتے ہیں تب ایک گھنٹہ میں پانچ روپے ملنے چاہئیں لیکن پچاس روپے دس گھنٹے میں عام طور پر کہاں ملتے ہیں روپیہ دو روپیہ روز سے زیادہ دن رات میں بہت کم لوگوں کو ملتے ہوں گے۔ اس حساب سے ایک گھنٹہ کی اجرت کچھ پیسے ہی ہوں گے اور یہ بھی جب کہ ایک گھنٹہ خالص اللہ کے لیے چھوڑا گیا ہو حالانکہ ہم لوگ ایسا بھی نہیں کرتے جو گھنٹہ اللہ کے واسطے مقرر کرتے ہیں اس میں بھی دنیا کے قصوں میں دل پھنسا رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر تمام عمر کا ثواب بروئے حساب جمع کر لو تو دس، پندرہ روپے سے زیادہ نہ ہونا چاہیے مگر وہاں فضل کی یہ حالت ہے کہ ثواب کتنا ملے گا؟ ''مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ'' جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا، نہ کسی آدمی کے دل پر اس کا خطرہ(۱) گزرا۔ دس پندرہ کی تو کوئی گنتی نہیں لاکھوں میں بھی شمار نہیں۔ کیفا و کما بے شمار اجر ملے گا کہ اتنے بڑے نتیجے کا ترتب ان اعمال پر جن کا اجر حساب سے دس، پندرہ روپیہ سے زیادہ نہ تھا، کوئی عقلمند نہیں کہہ سکتا اور عقل کبھی تسلیم نہیں کر سکتی کہ یہ ہمارے عمل کا نتیجہ ہے بلکہ محض فضل خداوندی ہے۔

(۱) خیال۔

عمل پر اجر آخرت مترتب نہ ہونے کی وضاحت

سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ عمل کے بعد بھی یہ نتیجہ حاصل ہو جائے تو بڑی بات ہے اور محض فضل ہے۔ چہ جائیکہ عمل بھی نہ کریں حق تعالی نے اس غلطی پر متنبہ فرمایا ہے۔ اس آیت میں ” إِنَّ ٱلَّذِينَ يَتۡلُونَ كِتَٰبَ ٱللَّهِ وَأَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُواْ مِمَّا رَزَقۡنَٰهُمۡ سِرّٗا وَعَلَانِيَةٗ يَرۡجُونَ تِجَٰرَةٗ لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾ “[۱] اس میں ”یرجون“ کو مترتب فرمایا ہے۔ ”يَتۡلُونَ كِتَٰبَ ٱللَّهِ “ وغیرہ پر، معنی یہ ہوئے کہ جن لوگوں میں اول ان چیزوں کا وجود ہوتا ہے اور اس کے بعد امید کا وجود ہوتا ہے ان کی تجارت سود مند ہوتی ہے اور اگر امید اس سے پہلے ہو تو دھوکہ ہے اور امید کے معنی میں غلطی ہے یہ بات ضرور شرعاً ثابت و مسلم ہے کہ امید بھی ایک عبادت ہے اور امر مطلوب ہے۔

امید کی صحیح حقیقت

مگر حقیقت اس کی جمع اسباب ہے بعد ازاں نتیجہ کی توقع۔ نہ کہ محض توقع بلا جمع اسباب (بغیر اسباب اختیار کیے امید رکھنا) کیونکہ یہ تو خیالی باتیں ہیں۔

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست[۲]

ایک دوسری آیت بھی اسی طرز کی مدعا میں صریح ہے ” إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَٱلَّذِينَ هَاجَرُواْ وَجَٰهَدُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ أُوْلَٰٓئِكَ يَرۡجُونَ رَحۡمَتَ ٱللَّهِ “[۳] حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”الا ان سلعة اللّٰہ غالية على ان سلعة الله هي الجنه“ سن لو حق تعالیٰ کا سرمایہ بڑا گراں[۴] ہے سن لو کہ وہ سرمایہ جنت ہے پس جنت کی امید سے پہلے جنت کی قیمت بھی دیکھ لو جس کو اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گراں فرما رہے ہیں جس کے سامنے دنیا و مافیہا کو ہیچ[۵] فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تمام دنیا سے جنت کی قیمت

---

(۱) ”بے شک جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم کی اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا تھا اس میں سے چپکے اور اعلانیہ (اللہ کے راستہ میں) خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ٹھپ نہ ہوگا“ فاطر:۲۹ (۲) ”جس نے برائی کا بیج بویا اور نیکی کی امید رکھی اس نے بے وقوفی کی تدبیر کی اور بے کار خیال جمایا“ (۳) ”حقیقتاً جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا ہو اور جہاد کیا ہو ایسے لوگ تو رحمت خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں“ سورۃ البقرہ:۲۱۸ (۴) قیمتی (۵) دنیا اور اس میں موجود اشیاء کو حقیر فرما رہے ہیں۔

زیادہ ہے سو ان ناتمام اعمال کو اس کی قیمت کیا ہو سکتے ہیں ان اعمال پر اس کامل جانا فضل ہی فضل ہے تو کیا ہم سے اتنا بھی نہ ہو کہ ان اعمال ہی کو ادا کرلیں۔ اتنی بڑی چیز کے واسطے جس کی قیمت تمام دنیا بھی نہیں ہوسکتی یہ اعمال کیا چیز ہیں، ذرا غور اور انصاف کی ضرورت ہے۔ میری تقریر میں امید کے معنی کے متعلق غالباً شافی[1] بیان ہو چکا، البتہ یہ بات قابل انکار نہیں کہ محض ایمان پر بھی امید کا ترتب ہوسکتا ہے مگر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جس درجہ کی بنا ہوگی اسی درجہ کا مبنی ہوگا۔ یعنی نفس ایمان پر فلاح کی امید، اگرچہ کامل نہ ہو اور ایمان کامل یعنی مقرون بالاعمال[2] پر فلاح کامل کی امید۔ نکیر اس پر کیا جارہا ہے کہ بنا ضعیف پر کامل مبنی کی امید[3] خوب سمجھ لو۔

اب سمجھئے کہ ہر چند اس آیت میں تین ہی عمل کا بیان ہے۔ یَتۡلُونَ كِتَٰبَ ٱللَّهِ یعنی قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں اور وَأَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ یعنی نماز پڑھتے ہیں وَأَنفَقُواْ یعنی مال خرچ کرتے ہیں مگر درحقیقت اس میں اشارہ ہے تمام عبادات اور شرائع کی طرف۔ بیان اس کا یہ ہے کہ عبادات دو قسم کی ہیں مالی اور بدنی وَأَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ میں اشارہ ہے عبادات بدنیہ کی طرف اور وَأَنفَقُواْ میں اشارہ ہے عبادات مالیہ کی طرف اور نیز عبادات بدنیہ اور مالیہ دونوں دو قسم پر ہیں فرض اور نفل۔ آیت میں دونوں ہی داخل ہیں۔ دیکھئے نہ صلوٰۃ میں قید ہے فرض کی نہ انفاق میں۔

نوافل کی فضیلت اور ترغیب

اور نوافل کو میں نے عبادت میں تصریحاً اس لیے داخل کیا کہ اکثر ذہنوں میں اس کی کچھ حقیقت نہیں حالانکہ یہ غلطی ہے۔ لوگ نفل کو ایک زائد چیز سمجھتے ہیں خاص کر اہل علم اس غلطی میں زیادہ مبتلا ہیں کیونکہ طالب علموں کو شروع سے نفل کا حکم یہ بتایا جاتا ہے کہ جس کے کرنے میں ثواب ہو اور نہ کرنے میں کچھ گناہ نہ ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب یہ بات ہے تو فعل نہ کرنے میں کیا حرج ہے یہاں تک بھی غنیمت تھا۔

(۱) تسلی بخش (۲) وہ ایمان جس کے ساتھ اعمال بھی ہوں (۳) انکار اس بات کا کیا جارہا ہے کہ خالی کلمہ پڑھ کر بغیر عمل کے نجات کامل کی امید کرنا۔

اہل علم کی نفل کے بارے میں غلطی

مگر غضب یہ ہے کہ اس کا ترجمہ دوسرے لفظوں میں یوں کرلیا کہ نفل کوئی مہتم بالشان (۱) نہیں، چلئے چھٹی ہوئی۔ گویا شریعت میں نوافل کا بیان ہی فضول ہے، خوب سمجھ لیجئے کہ نفل بیکار اور فضول چیز نہیں ہے بلکہ متمم فرائض (۲) ہونے کی وجہ سے ایک مہتم بالشان چیز ہے نیز ایک بڑی علامت ہے خاص محبت کی۔

میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں فرض کرو ایک ملازم ہے جس کو کھانا پکانے کے واسطے رکھا گیا ہے اور وہ ایسا قانونی ہے کہ کھانا پکا کر چل دیتا ہے اور ایک دوسرا ملازم ہے کہ اسی کام کے لیے وہ بھی رکھا گیا ہے مگر اس کی حالت یہ ہے کہ جب کھانا پکا چکتا ہے تو آقا کو پنکھا جھلنے لگتا ہے اور اور بھی خدمت کر دیتا ہے۔ ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ ضرور فرق ہے اُس دوسرے آدمی کی قدر آقا کے دل میں یقیناً زیادہ ہوگی بلکہ اس کی ان زائد خدمتوں کی قدر بعض دفعہ اصل کام سے بھی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ منصبی کام تو ضابطہ کی خانہ پری ہے اور نوکر سے زبردستی اور ٹھوک بجا کر لیا جاتا ہے اور یہ زائد خدمات محبت اور خلوص کی دلیل ہیں، محبت اور خلوص کا نتیجہ دوسرے کی طرف سے بھی محبت اور خلوص ہی ہوتا ہے تو اس دوسرے شخص سے آقا کو خاص محبت ہوگی اور بلفظ دیگر یہ دوسرا نوکر محبوب ہوگا اور پہلا آدمی نوکر اور مزدور ہوگا یہ حقیقت ہے نفل کی۔ پس اسی طرح جو شخص احکام شرعی میں سے صرف فرائض کو ادا کرے، پانچ وقت کے فرض ہی پڑھے اور زکوٰۃ بقدر واجب ہی دیدیا کرے اور کوئی نفل نماز نہ پڑھے نہ کوئی نفل خیر خیرات کرے تو وہ ضابطہ کا نوکر ہے اس سے ٹھوک بجا کر کام لیا جائے گا اور ذرا سا بھی قصور ہوگا تو گرفت سے نہ چھوڑا جائے گا اور کسی طرح یہ نہ کہا جائے گا کہ اس کو حق تعالیٰ سے محبت ہے۔

کثرت نوافل علامت محبت ہے

صاحبو! محبت کی علامت سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ آدمی نفل طاعات کی کثرت کرے۔ پس نفل بھی اس مقصود کے لیے ضروری چیز ہوئی ہاں نوافل وفرائض کے درجات اس واسطے قائم کئے گئے ہیں کہ اگر کبھی دونوں میں تعارض آپڑے تو نفل کو فرض

(۱) قابل اہتمام (۲) نوافل سے فرائض مکمل ہوتے ہیں۔

کے سامنے ترک کر دیا جائے۔ مثلاً صبح کا وقت جا رہا ہو اور صرف اتنی گنجائش ہے کہ دو رکعت پڑھ لی جائیں تو اگر کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ صبح کی چار رکعتوں میں سے دو فرض ہیں اور دو غیر فرض تو ممکن ہے کہ دو سنتوں کو پہلے پڑھے اور اتنے میں وقت نکل جائے اور فرض قضا ہو جاویں۔ اس واسطے علماء نے طاعات کے درجات کو مدوّن(۱) کر دیا تا کہ ایسے وقت میں اول فرض کو ادا کیا جاوے اور قضا کرنے کے گناہ سے آدمی بچ جائے۔ کیا اس سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ سنت فجر کوئی چیز نہیں؟ سنت فجر وہ چیز ہے جس کے واسطے حکم ہے کہ اگر گھوڑے بھی تمہارے اوپر کو اتر جائیں تب بھی اس کو مت چھوڑو۔ اب تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ نوافل کس درجہ کی چیز ہیں۔ میں نے یہاں بہت مختصر طور سے نوافل پر کلام کیا ہے نوافل کے فضائل سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔

نوافل میں سب سے افضل تلاوت قرآن ہے

اب معلوم کیجئے کہ نوافل میں سب سے زیادہ بڑھ کر تلاوت قرآن ہے اس طرح پر یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰهِ عبادت نفل کی طرف اشارہ ہو گیا اور اس میں سے تلاوت کو اس لیے خاص کیا کہ نوافل میں سے یہ ایک بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ کتاب اللہ کو پڑھنا کوئی معمولی بات نہیں۔ حق تعالیٰ کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے جس کا راز یہ ہے کہ یہ طبعی بات ہے کہ آدمی کو اپنا کلام سننے سے مسرت ہوتی ہے سو حق تعالیٰ تاثر سے تو منزہ(۲) ہیں لیکن انہوں نے اپنی رحمت سے ہمارے ساتھ ہمارے مذاق کے موافق معاملہ فرمایا ہے اور یہ کس قدر رحمت ہے بس جس طرح اگر ہماری تصنیف کردہ کوئی کتاب ہو اور اس کو کوئی پڑھے تو ہم کو اس کا سننا اچھا معلوم ہوتا ہے اور پڑھنے والے کے ساتھ ہم کو ایک خاص محبت ہو جاتی ہے اسی طرح حق تعالیٰ کو تلاوت کے وقت قاری کی طرف خاص توجہ ہوتی ہے۔

حفاظ اور قراء کی فضیلت

یہاں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حافظ و قاری حق تعالیٰ کے ہاں کس قدر محبوب و معزز ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے کلام کے پڑھنے والے اور اس کے محافظ ہیں۔ پھر جس شخص کے ساتھ حق تعالیٰ کو محبت ہو اس کی عظمت کا کیا ٹھکانا، ایک دنیا کا حاکم اگر کسی سے بات کر لیتا ہے تو اس

(۱) بیان کیا گیا (۲) پاک۔

کا دماغ آسمان پر پہنچ جاتا ہے اور دیکھنے والوں کی نظر میں اس کی عظمت ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں یہ شخص حاکم کا منہ لگا ہوا ہے حالانکہ دنیا کیا اور اس کی حکومت ہی کیا؟ خدا تعالیٰ کی شان تو بہت ارفع ہے (۱) سو جس شخص کی خدا تعالیٰ عظمت کریں اس کی عزت کا کیا ٹھکانا۔

صاحبو! سن لو اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ حفظ قرآن کتنی بڑی دولت ہے اسی طرح قرأت گو حفظ سے نہ ہو، خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی ہے۔ جس شخص کو حق تعالیٰ سے کلام کرنے کی دولت نصیب ہو سکتی ہو اس کو تو کسی طرح ایسے موقع سے چوکنا (۲) زیبا نہیں اور اگر چوک گیا تو بڑے خسارے میں رہا۔ دیکھو کتنے کتنے سفر قطع کرنے پڑتے ہیں اور کتنا مال صرف ہوتا ہے اور کتنا وقت لگتا ہے جب جا کر ایک ادنیٰ سے بادشاہ سے ایک بات کرنا نصیب ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کے یہاں کسی وقت کی بندش نہیں۔

تلاوت قرآن حق تعالیٰ سے ہم کلامی ہے

جس وقت جی چاہے حق تعالیٰ سے بات چیت کر سکتا ہے پھر بادشاہوں سے بات چیت کرنے میں کس قدر بکھیڑے ہیں، ذرا سی کوتاہی رہ جائے تو اس کا نتیجہ ناخوشی ہے اور یہاں کچھ بھی نہیں بلکہ کوئی شخص غلط بھی پڑھتا ہو تو اس کو رد نہیں کرتے، قاری تو قاری ہیں ہی، کوئی الٹا سیدھا بھی پڑھے تو فی حرف دس نیکیوں کا وعدہ ہے۔

اٹک اٹک کر پڑھنے میں دوگنے ثواب کا وعدہ ہے

بلکہ یہاں تک بھی آیا ہے کہ جو شخص اٹک اٹک کر بھی پڑھے تو اس کے واسطے دوگنا ثواب ہے کیونکہ ایک تو پڑھنے کا ثواب، دوسرے اس مجاہدہ (۳) کا ثواب کہ اس سے قرآن چلتا نہیں اور وہ نفس پر جبر کر کے پڑھے جاتا ہے اور اصل اس کی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ قرآن بوجہ کلام حق ہونے کے حق تعالیٰ کو پسند ہے جس طرح آپ کا کوئی فارسی کا دیوان ہو اور ایک ان پڑھ اسے پڑھے جس سے اس کا تلفظ بھی صحیح نہ ہو سکے مگر اس کی یہی وقعت آپ کے ذہن میں ہو جاتی ہے کہ اس کو ہم سے محبت ہے اور ہمارے کلام کی قدر کرتا ہے۔ گو اس سے چلتا نہیں مگر بلا ذوق کے بھی پڑھ رہا ہے اسی

(۱) بالا و برتر (۲) غفلت برتنا (۳) محنت کوشش۔

طرح حق تعالیٰ کے یہاں قرآن کے پڑھنے والے کی عزت ہے یہاں سے تلاوت قرآن کی فضیلت سمجھ میں آگئی ہوگی اور یہ اعتراض بھی رفع ہوگیا جو آج کل تعلیم یافتوں کی زبان پر ہے جو بچوں کو قرآن شریف نہیں پڑھواتے، کہتے ہیں طوطے کی طرح پڑھنے سے کیا فائدہ، پڑھنا تو وہ ہے جو معنی سمجھ کر ہو بچوں کو اتنی سمجھ نہیں، پھر پڑھنے سے کا کیا فائدہ۔

اس کا جواب کہ بچوں کو طوطے کی طرح قرآن رٹوانے سے کیا فائدہ؟

خدا رحم کرے اے معترض! میں پوچھتا ہوں فائدہ کسے کہتے ہیں؟ کیا سارا فائدہ سمجھنے ہی میں منحصر ہے ہرگز نہیں بلکہ سمجھنا بھی ایک فائدہ ہے اور مصنف کو خوش کرنا بھی ایک فائدہ ہے بلکہ سمجھنے کا اخیر انجام بھی مصنف کو خوش کرنا ہی ہے کیونکہ طاعت سے غرض خوشنودی حق تعالیٰ کے سوا اور کچھ بھی نہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ بے سمجھے پڑھنے سے کیا فائدہ ان سے پوچھنا چاہیے کہ سمجھ کر پڑھنے سے کیا فائدہ۔ اس کا جواب شاید یہ دیں گے کہ سمجھ کر پڑھا جائے گا تو عمل ہوگا پھر ہم کہیں گے کہ عمل سے کیا فائدہ، اخیر میں دو گھنٹے کے بعد یا چار گھنٹے کے بعد یہی کہنا پڑے گا کہ اس سے حق تعالیٰ خوش ہوں گے۔ آپ نے اتنی دیر کے بعد یہ نتیجہ نکالا اور ہم نے شروع سے یہی بات کہی تھی۔ غرض جو ہم نے کہا تھا وہی آپ کو کہنا پڑا، انجام تو آپ کا بھی وہی نکلا۔ حیرت کی بات ہے کہ شروع سے آپ کی سمجھ میں نہیں آیا اور گھوم گھام کر وہیں آئے کہ فائدہ کی حقیقت حق تعالیٰ کو خوش کرنا ہے۔

پس جبکہ ہم خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام سے ثابت کررہے ہیں کہ قرآن کا ہر طرح پڑھنا خوشنودی کا موجب ہے پھر اس سوال کا کیا معنی کہ بلا سمجھے پڑھنے کا کیا فائدہ اور دیکھئے اقلیدس[1] مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے بعض طالب علموں کو اس سے مناسبت نہیں ہوتی اور بالکل نہیں سمجھتے مگر ایسا ہوا ہے کہ امتحان میں اقلیدس کے پرچہ میں وہی عبارت لکھ دی جو بلا سمجھے رٹ لی تھی اور پاس ہوگیا۔ تعجب کی بات ہے کہ اقلیدس کی عبارت کا رٹنا تو مفید ہو اور کتاب اللہ کا رٹنا مفید نہ ہو اور اس کی نسبت کہا جائے کہ طوطے کی طرح رٹنا دماغ کو خراب کرنا ہے۔ صاحبو! اپنے دماغ کو درست کیجئے اور غور کیجئے کہ یہ باتیں خلل دماغ کی ہیں یا نہیں یہ تو ضابطہ کی تقریر تھی۔

(۱) جیومیٹری کی ایک پرانی کتاب۔

اہل درد کے لیے دوسرا جواب

اب دوسرے طریق سے خاص ان کو خطاب کیا جاتا ہے جو اہل درد ہیں ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا نام کسی عوض ملنے کے واسطے لیتے ہو۔ اگر کسی فائدہ کی تلاش ہے تو اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ محبوب کو خوش کررہے ہو جو لوگ اہل درد نہیں وہ اگر حق تعالیٰ کو خوش بھی کرتے تھے تو اس نیت سے کہ ہم کو کچھ ملے گا اگر آپ کو بھی کچھ ملنے ہی کی خواہش ہے تو گویا آپ کے یہاں بھی سارا دھندا پیٹ ہی کے واسطے ہے پھر اس حالت میں بندگی کا کیوں دعویٰ کرتے ہو۔ بس آج سے بندہ خدا ہونے کا نام نہ لیجئے، اپنے کو بندہ شکم (۱) کہئے۔

یہ تو مطلق عوض (۲) کے انتظار میں کلام تھا مگر آج کل تو اس سے بڑھ کر مذاق عام ہوگیا ہے کہ فائدہ وعوض کو بھی منحصر رکھا ہے، محض مال کے ملنے میں۔ کسب دنیا تو مال کے لیے تھا ہی مگر اب خدا کا نام لینا بھی مال کے لیے ہوگیا اور جن لوگوں سے آپ نے یہ مذاق سیکھا ہے ان میں پھر بھی کچھ انصاف اور حقیقت شناسی کا مادہ موجود ہے اور اچھی بات کی قدر کرتے ہیں۔ ایک انگریز جنٹ سے انہی کی درخواست پر میری ملاقات ہوئی تھی انہوں نے سنا تھا کہ میں نے ایک تفسیر لکھی ہے، پوچھا آپ نے قرآن شریف کی تفسیر لکھی ہے (شریف بھی کہا) میں نے کہا ہاں، کہا آپ کو کتنا روپیہ ملا؟ میں نے کہا ایک پیسہ بھی نہیں، کہا پھر کیا فائدہ ہوا اس کتاب کے لکھنے سے، میں نے کہا مجھ کو دو قسم کے فائدے ہوئے، ایک دنیا کا اور ایک آخرت کا، دنیا کا تو یہ کہ قوم کے ہاتھ میں ان کے کام کی ایک کتاب آگئی جس کا دیکھنا ان کے لیے موجب حظ (۳) ہوگیا اور اس کو دیکھ کر میں مسرور ہوں گا اور آخرت کا فائدہ وہ ہے جس کو خوشنودی حکام کہتے ہیں۔ اس کام سے سب حکام کے حاکم یعنی احکم الحاکمین کی خوشنودی کی امید ہے یعنی خدا تعالیٰ کی خوشنودی، اس بات سے اس پر بڑا اثر ہوا اور اس بات کی اس نے بہت قدر کی۔

دیکھئے جو دنیا طلبی میں امام ہیں ان کے نزدیک اچھی بات کی پھر بھی قدر ہے اور جو ان کے مقلد ہیں ان کے نزدیک قرآن کا پڑھنا طوطے کی طرح رٹنا اور فضول

(۱) پیٹ کا بندہ (۲) عام بدلہ (۳) لطف کا باعث ہوگا۔

ہے۔ افسوس لوگوں نے دین کو تو بہت دور ہی پھینک دیا، دین کا فائدہ تو فائدہ کے افراد ہی میں سے نہیں رہا[1] اور غیر قوموں کو دیکھئے کہ ان کو اپنے مذہب کی کتنی قدر ہے وہ مذہب کے لیے کتنی کوشش کرتے ہیں حالانکہ وہ باطل ہے۔ اگر مسلمان ان سے آدھی بھی کوشش کریں تو بہت کچھ فائدہ ہوسکتا ہے کیونکہ وہ اپنی کوششوں سے ایک باطل بات کو حق کرنا چاہتے ہیں جو کبھی نہیں ہوسکتی اور مسلمان اگر کوشش کریں تو وہ کوشش حق کے لیے ہوگی۔

دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص ایک مردہ لاش کو کھڑا کرنے کی کوشش کرے، وہ اگر بہت کوشش کرے گا اور دوسروں کو ساتھ ملا کر زور لگائے گا تو اس سے زیادہ نہ ہوگا کہ وہ لاش درخت کے تنے کی طرح کھڑی ہوجائے لیکن جس وقت ذرا اس سے ہاتھ ہٹے گا فوراً گر جائے گی، برخلاف اس کے کہ ایک دوسرا شخص ہے کہ وہ ایک زندہ اور تندرست شخص کو بیٹھے یا لیٹے سے کھڑا کرنا چاہتا ہو اس کے لیے ذرا سہارے کی ضرورت ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ دین مردہ ہوگیا۔ صاحبو! دین نہ کبھی مردہ ہوا نہ مردہ ہے۔ نہ مردہ ہوگا، ہاں کبھی وہ خود جان کر اپنے خدام واعوان[2] کا امتحان لینے کے لیے بیٹھا یا لیٹا بن جاتا ہے اس کے لیے ذرا سے سہارے کی ضرورت ہے وہ خود اپنی قوت سے کھڑا ہوجائے گا نہ کہ آپ کی قوت سے۔ البتہ کھڑا ہوگا آپ کا امتحان لینے کے بعد جو شخص اس کی مدد کرے گا وہ اپنے واسطے کامیابی حاصل کرے گا نہ کہ اس پر کچھ احسان ہوگا کیونکہ وہ محتاج نہیں، اس بہانہ سے تم کو فائدہ پہنچانا منظور ہے۔

مگر اب تو مصیبت ہے کہ سب کا مذاق روپیہ میں منحصر ہوگیا ہے، خدا تعالیٰ کے کام کو بھی مفید جب ہی کہا جاتا ہے جب روپیہ ملے۔

ایک اہلکار نمازی کا قصہ

ایک عہدیدار شخص بے نمازی تھا اور بیوی اس کی نمازی تھی، بیوی سے کہنے لگا تو اتنے دنوں سے نماز پڑھتی ہے تجھ کو کیا فائدہ ہوا؟ کون سی دولت مل گئی؟ گویا فائدہ دولت اور روپیہ ہی کا نام ہے جیسے ایک صاحب کو یہ فائدہ بھی ملا کرتا تھا ایک اہلکار ایسے پکے نمازی تھے کہ صبح کی نماز پڑھ کر اشراق تک مصلیٰ پر بیٹھے رہتے اور کسی سے بولتے بھی نہ تھے

(۱) یعنی یہ دنیا دار اس کو فائدہ ہی نہیں سمجھتے (۲) مددگار۔

کیونکہ پیر صاحب نے وظیفہ میں بولنے کو منع کر دیا تھا۔ اہل مقدمہ اسی وقت میں آتے اور رشوتیں پیش کرتے، یہ زبان سے تو کچھ نہ کہتے کیونکہ وظیفہ میں خلل پڑے گا، انگلیوں سے اشارہ کرتے، دو سولوں گا یا پانچ سولوں گا، لوگ کہتے سو لے لیجئے، یہ اشارہ سے کہتے نہیں اور دو انگلیاں اٹھا دیتے کہ دو سو ہی لوں گا۔ اہل غرض مجبور ہوکر وہی دے دیتے پھر آپ اشارہ کرتے کہ مصلی کے نیچے رکھ دو، بس ان لوگوں کے نزدیک یہ ہے فائدہ، بس اب تو روپیہ ہی کچھ چیز رہ گیا ہے اس کے سامنے نہ حرام کچھ ہے نہ خبیث کوئی چیز ہے، بس جس طرح ہو سکے روپیہ آنا چاہیے۔ نماز بھی جب ہی پڑھیں گے جب روپیہ کی امید ہو۔

سودا شاعر اور ان کی بیوی کا قصہ

سودا شاعر کی بیوی نمازی تھی، سودا نے کہا کہ تو نماز کیوں نماز پڑھا کرتی ہے تجھے اس سے کیا ملتا ہے؟ اس نے کہا ہمیں جنت ملے گی، کہنے لگا جا بیوقوف تو وہاں بھی ان غریب، مسکین، ملانوں کے ساتھ ہی رہے گی اور ہم جہنم میں جائیں گے جہاں بڑے بڑے سلاطین اور امراء رؤساء (بادشاہ اور حکام) ہوں گے جیسے فرعون، ہامان، شداد، نمرود، قارون وغیرہ۔

اس مسخرہ نے شاید یہ سمجھا کہ مساکین جنت میں جاکر بھی مساکین ہی رہیں گے اور یہ سلاطین دوزخ میں بھی بادشاہ ہی رہیں گے حالانکہ مساکین جنت میں بادشاہی کریں گے اور سلاطین، دوزخ میں بھنگی چماروں سے بھی زیادہ ذلیل وخوار ہوں گے۔ خیر یہ تو ایمان کے خلاف باتیں ہیں ایسے خیال کے تو سب مسلمان نہیں ہوتے مگر اتنی شکایت ضرور ہے کہ بدون مال کے کسی فائدہ کو آج کل فائدہ ہی نہیں سمجھتے۔ حق تعالیٰ سے بھی مال ہی کے واسطے تعلق رکھنا چاہتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ کے ساتھ وہ تعلق ہونا چاہیے جو اور کسی کے ساتھ نہ ہو سکے، دینے لینے کا تعلق تو انسانوں سے بھی رکھا جاتا ہے کہ جس نے چار پیسے دیئے اس کا کام کر دیا اگر یہی تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ بھی رکھا تو خدا اور بندے میں تم نے کیا فرق کیا، گو حق تعالیٰ بہت کچھ دیں گے بھی لیکن بندہ کو بحیثیت بندہ ہونے کے حق تعالیٰ کی ذات سے تعلق رکھنا چاہیے۔

غلام کو کیا حق حاصل ہے کہ آقا سے اپنی خدمت پر معاوضہ کا کچھ مطالبہ کرے؟ حق تعالیٰ کو تو یہ حق حاصل تھا کہ بندہ سے سب کچھ لے کر اس کا مال اور اولاد

سب چیزیں لے کر بھی ایک سجدہ کی اجازت دے دیتے تو غنیمت تھا نہ کہ اور اپنے پاس سے دے کر اور وہ بھی کیا چیز دے کر ایسی چیز دے کر جس کے ایک ادنیٰ سے جزو کی قیمت دنیا و مافیہا نہیں ہوسکتی، سجدہ کا مطالبہ فرماتے ہیں، واللہ مرجانے کی بات ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم کو محبت نہیں ورنہ خدا تعالیٰ کے نام لینے کو باعث فخر اور خوبی سمجھتے۔ یہ وہی بات ہے کہ گدھے کو دیا تھا نمک، اس نے کہا کہ میری آنکھیں پھوڑ دیں، تلاوت قرآن حق تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی ہے اگر کچھ پاس سے دے کر بھی اس کی اجازت ہوجاتی تو غنیمت تھا نہ کہ لوگ پوچھتے ہیں کیا ملے گا' اچھا ملنے کی بھی سن لیجئے۔

تلاوت قرآن کا ثواب

حدیث شریف میں وعدہ آیا ہے، (بُکُلِّ حَرْفٍ حَسَنَۃً وَالْحَسَنَۃُ بِعَشَرِ اَمْثَالِھَا) یعنی ایک ایک حرف پڑھنے پر ایک ایک نیکی ملے گی اور نیکی کا عوض دس گنا ملتا ہے، دیکھئے کس قدر اجر ہے اب تو فائدہ بھی معلوم ہوگیا اور فائدہ بھی کیسا بے حد و بے حساب کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورت پڑھئے تو اتنا ثواب ہوجائے کہ اٹھائے نہ اٹھے۔

ہاں شاید کوئی یہ کہے کہ نیکی لے کر کیا کریں گے اور نیکی سے کیا فائدہ؟ (کیونکہ فائدہ تو آج کل روپیہ پیسہ میں منحصر ہے) صاحبو! نیکی کا فائدہ وہاں معلوم ہوگا جہاں آپ کا یہ روپیہ پیسا نہیں چلتا بلکہ وہاں نیکی ہی کا سکہ چلتا ہے شاید ابھی سمجھ میں نہ آیا ہو۔

میں اس کی شرح کیے دیتا ہوں۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص کو مزدوری میں ایک سکہ دوسرے ملک کا دیا جائے جس کو یہ پہچانتا بھی نہیں اور اس کے ملک میں وہ سکہ چلتا بھی نہیں۔ ہاں وہ اس ملک کا سکہ ہے جہاں اس کو قریب ہی جانا ہے تو کیا وہ سکہ دے دینا، یہ اجرت دینا نہیں ہے اور اگر وہ مزدور یہ کہے کہ اس ملک کا سکہ کیوں نہیں دیا اور وہ یہ جواب دے کہ بیوقوف تجھے فلاں شہر میں جانا پڑے گا یہ سکہ تجھے وہاں کام دے گا تو کیا یہ کہنا کا بجا ہے یا بیجا؟ اور اس صورت میں اتنا اور فرض کر لیجئے کہ اس ملک میں جہاں اس مزدور نے اس وقت کام کیا ہے اس کو چند منٹ ہی رہنا ہے اور اس دوسرے ملک میں جس کی تیاری ہے مدتوں رہنا ہوگا۔ اگر اس حالت میں اس نے دوسرے ملک کے سکہ کو منظور نہ کیا اور اسی ملک کے سکے ساتھ لے لیے تو چاہے گدھا بھر بوجھ بھی باندھ کر کیوں

نہ لے جائے وہ وہاں کچھ کارآمد نہ ہوں گے اور وہاں جاکر یہ بھوکوں ہی مرے گا اور بوجھ میں مفت مرا، یہ الگ رہا۔

دنیا کا سکہ اموال ہیں اور آخرت کا سکہ اعمال

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ ایک تو ملک دنیا کا ہے اور دوسرا ملک آخرت کا ہے۔ دنیا کا سکہ اموال ہیں اور آخرت کا سکہ اعمال ہیں جس کا ترجمہ نیکی ہے جس کے پاس نیکی نہیں ہے وہ وہاں مفلس اور بے کس اور بے بس ہے۔ چاہے اموال اس کے پاس قارون سے بھی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ وہاں جاکر اس کی قدر معلوم ہوگی کہ نیکی سے کیا فائدہ؟ حدیث شریف میں ہے کہ لوگ ایک ایک نیکی کے بدلے جنت سے اٹک جاویں گے اور نجات نہ ہوسکے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص ہوگا جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی، حکم ہوگا رہائی چاہتے ہو تو جس طرح ہوسکے نیکیوں کا پلہ بھاری کرو، اگر ایک نیکی بھی اور ہو تو پلہ بھاری ہوسکتا ہے۔ وہ بیچارہ اہل محشر سے اپنے شناساؤں سے اور اعزاء واقارب سے اور جس سے بھی ہوسکے گا سوال کرے گا لیکن کہیں سے بھی سوائے نفی کے جواب نہ ملے گا کیونکہ ہر شخص کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ ہر شخص کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ شاید ہمارے حساب میں بھی ایک نیکی کی کمی ہوجاوے اور اس کی بدولت ہم اٹکے پڑے رہیں۔ غرض کوئی نہ دے گا لیکن ایک شخص ایسا ہوا جس کے پاس تمام برائیاں ہی برائیاں ہوں گی اور نیکی صرف ایک ہوگی وہ کہے گا کہ بھائی جب تو اتنی نیکیاں کرکے صرف ایک نیکی کی کمی کی وجہ سے جنت میں جانے سے روک دیا گیا تو میرے پاس تو بجز ایک نیکی کے سب بدیاں ہی بدیاں ہیں میں تو دوزخ میں یقیناً ہی جاؤں گا کیونکہ ایک نیکی میری اتنی برائیوں کا کہاں تک مقابلہ کرے گا۔ لہٰذا مجھ سے تو یہ بیکار ہی ہے، لے تو ہی لے جا، میرا نہ سہی تیرا ہی کام بن جائے، بس اس ایک نیکی سے حسنات [1] کو غلبہ ہوجائے گا۔

اب رحمت الٰہی دیکھئے کہ اس شخص کو بلایا جائے گا جس نے یہ نیکی دی تھی اور اس سے سوال ہوگا کہ تم نے اپنی نیکی دوسرے کو کیوں دیدی، اب تمہارے پاس تو بجز

(۱) نیکیوں۔

گناہوں کے کچھ بھی نہ رہا، وہ کہے گا کہ الٰہی میں نے یہ دیکھ کر کہ ایک شخص کے پاس ہزاروں نیکیاں تھیں مگر ایک کی کمی سے وہ جنت میں نہ جاسکا، یہ سمجھ لیا کہ میرے پاس تو ایک ہی نیکی ہے قانون کے موافق میری مغفرت نہیں ہوسکتی اس لیے میں نے دوسرے کو اپنی نیکی دیدی کہ وہ تو بخش دیا جائے، حکم ہوگا کہ ہم نے تجھ کو بھی بخشا۔ اس کو قانون سے بخشا اور تجھ کو فضل سے بخشا، تو نے اس شخص پر رحم کیا ہم نے تجھ پر رحم کیا۔

نیکی کی قدر وہاں ہوگی۔ صاحبو! نیکی وہاں کا سکہ ہے تو وہیں چلے گا بھی اور ایسے وقت میں کام دے گا جب کہ کوئی سکہ بھی کام نہ دے گا۔ لفظ اَلْحَمْدُ میں پانچ حرف ہیں، اتنا سا لفظ پڑھنے سے پانچ نیکیاں ملتی ہیں پھر ان پانچ کی پچاس ہوجاتی ہیں۔ سو وہ فائدہ یہ ہے۔ اب تو سمجھ میں آ گیا کہ تلاوت قرآن کا فائدہ کچھ معانی سمجھنے ہی میں منحصر نہیں جیسا کہ آپ نے سمجھ رکھا ہے اور اگر منحصر ہے بھی تو معنی سمجھنے سے کس نے منع کیا ہے؟ عربی پڑھو اور سمجھو۔ ہم یہ کب کہتے ہیں کہ تم صرف طوطے ہی کی طرح پڑھو بلکہ یہ کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح بھی پڑھو اور سمجھ کر بھی پڑھو۔

بعض لوگ قرآن کی تعلیم بالکل اڑانا چاہتے ہیں

افسوس تو یہ ہے کہ جو لوگ بچوں کو قرآن پڑھنے پر اعتراض کرتے ہیں ان لوگوں کی نیت طوطے کی طرح رٹنے سے منع کرنے میں یہ نہیں کہ سمجھنے کی کوشش کرو بلکہ مطلقاً قرآن کی تعلیم کو اڑانا مقصود ہے۔ ریاست رام پور میں کسی کا لڑکا قرآن پڑھتا تھا، دوسرے شخص نے کہا تم اپنے بچے کو انگریزی اسکول میں داخل نہیں کرتے؟ اس نے کہا قرآن پڑلے تو داخل کردوں گا۔ پوچھا کتنا قرآن رہا ہے؟ کہا آدھا رہا ہے تو وہ کیا کہتا ہے کہ میاں اتنے دن تو خراب ہوئے، اگلے دن بھی کیوں خراب کرتے ہو (نعوذ باللہ منہ) بھلا یہ کیا اسلام ہے کہ ایک شخص مسلمان کہلا کر قرآن کی تعلیم میں مشغول ہونے کو وقت کا خراب کرنا بتلائے' یہ کتنا سخت کلمہ ہے جس سے ایمان کی جڑی کھوکھلی ہوئی جاتی ہے۔

اسی طرح ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا کہ آپ نے بھتیجوں کو کیا پڑھایا؟ میں نے کہا ایک میرے پاس علم دین پڑھتا ہے، باقی اپنے والد کے پاس ہیں وہ انگریزی

میں مشغول ہیں، کہنے لگے اس ایک کے واسطے آپ نے ترقی کی فکر نہیں کی؟ آپ کے بھائی تو بڑے صاحب استطاعت ہیں۔ اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلا سکتے ہیں اور عربی پڑھنے کے لیے تو دیوبند کے طالب علم کافی ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ آپ لوگوں نے زبانی دعوؤں سے تو ہمدردی کا بڑا غل مچا رکھا ہے مگر قوم کے ساتھ یہ کیسی آپ کی ہمدردی ہے کہ غریبوں کے لیے تو آپ ترقی نہیں چاہتے، وہ تو دیوبند میں ادنیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور امیروں کے لیے ترقی چاہتے ہیں، کیا دیوبند کے طالب علم قوم میں نہیں؟ اگر ترقی اچھی چیز ہے تو دیوبند کے طالب علموں کے متعلق بھی آپ نے یہی رائے کیوں نہیں دی کہ علم دین چھوڑ کر وہ بھی ترقی کی فکر میں پڑھیں اور اگر ترقی بری چیز ہے تو میرے بھتیجے کے لیے کیوں پسند کی جاتی ہے۔

مپسند بر دیگر کساں چیزے کہ داری ناپسند(۱)

یہ کیا انصاف ہے کہ آپ کے نزدیک پستی کے لیے تو دیوبند کے طالب علم رہ گئے ہیں اور عیش و آسائش کے لیے آپ لوگ افسوس عقل اور ہمدردی کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ آپ کی رائے اس کے برعکس ہوتی کیونکہ جن لوگوں کو (جیسے کہ آپ) دنیا بقدر ضرورت حاصل ہے ان کو علم دین میں زیادہ حصہ لینا چاہیے تھا کیونکہ دنیا تو حاصل ہی ہے اور جن کے پاس دنیا بقدر ضرورت بھی نہیں (جیسے دیوبند کے طالب علم) ان کو ترقی دنیا کی ضرورت تھی مگر ان کے لیے آپ یہ رائے دے رہے ہے کہ وہ ترقی نہ کریں پس آپ ہی ترقی کرتے رہیں آپ کے لیے علم دین کی کچھ ضرورت نہیں کیوں صاحب اس کے لیے دیوبند کے طالب علم ہی کیوں کافی ہیں، کیا دین فقط ان ہی کا ہے آپ کا دین نہیں؟ آپ کے ذمہ دین کا کوئی حق نہیں؟ مجھے سمجھایئے تو کہ اس جملہ کا کیا مطلب ہے کہ عربی پڑھنے کے لیے دیوبند کے طالب علم بہت کافی ہیں بس اس کا کچھ جواب نہ تھا، یہ عجیب رائے۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہو رہی ہے (عقل کا تقاضہ)۔

(۱) ''دوسروں کے لیے وہ چیز پسند نہ کرو جسے خود ناپسند کرتے ہو''

أخبار الجامعة

ماہ نومبر/ دسمبر 2023ء

استاد القراء الدکتور الشیخ احمد میاں تھانوی صاحب مدظلہ العالی کا دورہ ساؤتھ افریقہ

❁ 26 نومبر کو انٹرنیشنل ایر پورٹ او آر تمبو جوہانسبرگ پہنچے جہاں عوام وخواص نے حضرت کا استقبال کیا۔

بعد ظہر مولانا محمد ڈوکراٹ صاحب کی بیٹی کے شادی کی تقریب میں شرکت کی۔

❁ 27 نومبر کو دارالعلوم دارالسلام لوڈیم پروٹوریا میں طلباء ومعلمات کی تلاوت سن کر اصلاح فرمائی اور حضرت نے تلاوت کی اور بعد میں سوالات وجوابات کی نشست ہوئی۔

بعد مغرب مفتی اسماعیل عبدالرحیم کے جامعہ محمودیہ سپرنگ، مسابقۂ قراءات میں تلاوت کے بعد عربی میں بیان کیا۔

❁ 28 نومبر کو دارالعلوم دارالسلام لوڈیم پروٹوریا میں 8 طالبات کو روایت حفص وقراءات سبعۃ وقراءات ثلاثۃ کی تکمیل کروا کر عربی میں بیان کیا اور دعاء کروائی۔

بعد مغرب لوڈیم پروٹوریا میں ادارہ CIS کے اساتذہ نے مقدمۃ الجزریۃ سنا کر حضرت سے تبرکاً اجازت حاصل کی۔

❁ 29 نومبر کو مولانا ظہیر راگی صاحب کے جامعہ العلوم الاسلامیہ جوہانسبرگ میں حضرت کی تلاوت کے بعد سوال وجواب کی نشست ہوئی اور طلباء نے حدیث اور تلاوت سنا کر اجازت حاصل کی۔ بعد ظہر کیپ ٹاؤن پہنچے علماء اور قراء نے حضرت کا استقبال کیا۔

❁ 30۔نومبر مولانا انور پیٹرز کے مدرسے قاسم العلوم کیپ ٹاؤن میں ایک تاریخی پروگرام ہوا جسمیں 80 ممتاز قراء نے ''الفرائد الاحسان فی عدِّ آی القرآن'' سنا کر اجازت حاصل کی اور سوال وجواب کی نشست ہوئی اور بعد ظہر ہلال TV چینل پر شیخ کا انٹرویو نشر ہوا۔

❁ یکم دسمبر مسجد السلام لوڈیم پروٹوریا میں جمعہ پڑھایا بعد مغرب اسی مسجد میں پروگرام ہوا جسمیں 7 طلباء نے روایت حفص وقراءات سبعہ اور قراءات ثلاثہ مکمل کی اور بعد میں

حضرت نے تلاوت کے بعد بیان کیا اور قاری ایوب اسحاق صاحب نے ترجمہ کیا جو ساؤتھ افریقہ کے بڑے قاری ہیں۔

❁ 2 دسمبر قاری اسماعیل عبدالعزیز کے مدرسہ ترتیل القرآن میں 23 طلباء واساتذہ نے ''الفرائدالاحسان فی عد آی القرآن'' اور'' عقلیۃ اتراب القصائد فی علم الرسم'' سنائی۔ بعد مغرب مسجد السلام ڈربن میں قراءات پروگرام ہوا۔

❁ 3 دسمبر مولانا اسماعیل عاکو، کے مدرسہ دارالعلوم نیوکاسل میں ختم بخاری کے موقع پر شیخ محترم قاری احمد میاں تھانوی صاحب نے تلاوت کے بعد عربی میں بیان کیا۔

❁ 4 دسمبر بعد مغرب زید ڈوکراٹ صاحب کی مسجد نور میں قراءات پروگرام ہوا۔

❁ 5 دسمبر مولانا شبیر سلوجی کے دارالعلوم زکریا لینز یا میں قرآن کریم کی تلاوت کے بعد بیان کیا۔ بعد ظہر مفتی اسماعیل عبدالرحیم کے مدرسہ معین الاسلام میں تلاوت کی اور بیان کیا۔

❁ 7 دسمبر بروز جمعرات بخیر وعافیت واپس لاہور تشریف لے آئے۔

ملکی اسفار

❁ 23 نومبر سرگودھا بسلسلہ رابطہ مہم برائے آن لائن مسابقۂ حفظ القرآن دورہ فرمایا۔

❁ 9 دسمبر مولانا یوسف خان صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کی بیٹی کے نکاح میں شرکت فرمائی۔ بعد نماز عشاء تلوار والی مسجد انارکلی، ختم نبوت کانفرنس میں تلاوت فرمائی۔

❁ 14 دسمبر جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور مشاورتی اجلاس ہوا جس میں 11 جنوری 2024ء پنجاب کے صوبائی مسابقۂ حفظ القرآن کے حوالے سے امور طے فرمائے۔

❁ 15 دسمبر جامعہ تقویٰ چوبرجی اور جامعہ امہات المؤمنین چوبرجی لاہور علماء کے تبلیغی جوڑ میں تلاوت فرما کر مشائخ سے خصوصی ملاقاتیں فرمائیں۔

❁ 16 دسمبر طلباء دورۂ حدیث جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور سے خصوصی نشست ہوئی۔

❁ 17 دسمبر جامعہ ہٰذا کے شعبہ تعلیمات ومجلس عاملہ کے مشاورتی اجلاس کے بعد 18 تا 28 دسمبر موسم سرما کی تعطیلات اور تعلیمی کام طلباء کے سپرد کیا۔